# پاکستان کی سیاہ فام اقوام

غلام اکبر ملک



بسلسلہ تاریخ اقوام و قبائل پاکستان کتاب نمبر ۹

# پاکستان کی سیاہ فام اقوام

از

غلام اکبر ملک

العقاب پبلی کیشنز، جلیل سنٹر ۲۳۱۔ سرکلر روڈ نزد چوک اردو بازار لاہور

نام کتاب : پاکستان کی سیاہ فام اقوام

مصنف : غلام اکبر ملک

بار اول : نومبر۱۹۹۶ء

تعداد : پانچ سو

ناشر : رضوانہ ملک

طابع : العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر۲۳۱ سرکلر روڈ
نزد چوک اردو بازار لاہور۔

سرورق : ناہید چھہ

مطبع : نسیر اسد پرنٹرز۔۔ لاہور۔

# انتساب !

آدمؑ کے ان بیٹوں اور بیٹیوں کے نام
جن کے معمار ہاتھوں نے
تہذیب انسانی کی اولین بنیادیں
استوار کی تھیں
آج بھی ان کی اولادیں
"محنت میں عظمت" کی امین ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین پاک و ہند کے قدیم ترین باسی' سیاہ فام باشندے ہیں۔ سیاہ فام کسی دوسرے علاقے سے آکر یہاں آباد نہیں ہوئے تھے بلکہ شاید ان لوگوں کا خمیر اسی سرزمین کی مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔ نوع انسانی کی ابتدائی تہذیب کے معمار یہی لوگ تھے۔ ان لوگوں کی زندگیاں محنت' کوشش اور جہد مسلسل کے لئے' انسانی تاریخ کے ہر دور میں' وقف رہی ہیں۔ تہذیب انسانی کی عمارت استوار کرنے میں سیاہ فام اقوام کی حیثیت خشت اول کی سی ہے۔ اتنی زیادہ اہمیت کی حامل ہونے کے باوجود اس قوم کی تاریخ پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ علاوہ دیگر وجوہات کے اس امر کی ایک وجہ اس قوم کی ترقی اور عروج کا دور' قبل از تاریخ کا زمانہ بھی ہے۔ قبل از تاریخ کے دور میں ترقی کی معراج کو پہنچی ہوئی اس سیاہ فام قوم سے متعلق بعض اہم آثار تو اب تک دریافت ہو چکے ہیں لیکن کوئی ایسا کتبہ یا مخطوطہ نہیں مل سکا جسے پڑھا جاسکے۔ نامعلوم زمانوں میں یہ قوم سرزمین پاک و ہند کی بلاشرکت غیرے آباد کار تھی اور تہذیبی و تمدنی ترقی کی معراج کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس کی شہادت ہڑپہ' موہنجوداڑو اور کلی گل محمد وغیرہ کے کھنڈرات سے ملنے والے آثار ہیں۔ علم الاثار کے ماہرین نے ان آثار کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے لیکن عظیم سیاہ فام قوم کی مربوط تاریخ مرتب کرنے کے لئے یہ سب ناکافی ہے۔

ہم نے دستیاب مواد سے مدد لے کر اس خطے کے سیاہ فاموں کی ایک مختصر سی تاریخ مرتب کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ دراصل یہ کتاب سیاہ فام اقوام کی تاریخ کے چند نقوش واضح کرتی ہے۔ تاہم اس قوم کی تاریخ کے دھندلے نقوش کو مزید واضح کرنے اور ہزاروں' لاکھوں سال کی گرد کو ہٹانے کے لئے ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ غلام اکبر ملک
۱۵۷ ۔ اے فیصل ٹاؤن لاہور

# فہرست

## لفظ "کالا" کا ماخذ و مفہوم

لفظ "کالا" کا ماخذ قدیم منگولیائی زبان کا لفظ "قراء" ہے۔ قدیم ترین ہندی سیاہ فاموں کو یہ نام غالباً ان زرد فام تورانیوں نے دیا تھا' جو قبل از تاریخ کے نامعلوم دور (شاید ۳۰۰۰ قبل مسیح میں بہت پہلے) باب تورانی کے راستے اس خطے میں یہاں کے پہلے اجنبی حملہ آوروں کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ منگولیائی زبان میں اب بھی "قرا" کا مطلب سیاہ یا کالا ہے۔ "قرا" سے "کارا" بنا۔ اب بھی پنجابی و ہندی زبانوں میں "کالا" کے بجائے لفظ "کارا" بولا جاتا ہے مثلاً

ے نہ وس توں اوئے کاریا بدرا (بادل)
تیڈے توں میڈا سوہنا ایں کجرا (کاجل)

کارا کا "ر" بعد میں "ل" میں بدل گیا اور کالا بن گیا۔ حروف "ر" اور "ل" کی باہمی تبدیلی کی اب بھی کئی مثالیں ہماری مقامی زبانوں میں عام ملتی ہیں۔ مثلاً بلوچ کو سندھی سرائیکی میں بھی بروچ کہتے ہیں۔ عموماً پوٹھوہار اور اس کے نواحی علاقوں میں "ل" کو ر سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً وہ لوگ مونچھا والیا (مونچھوں والا آدمی) کو مچھاں واریا کہیں ہے۔ "بدری" (بادل) کو پنجابی میں "بدلی" کہتے ہیں' شنکر (ہندی دیوتا) کو "شنگل" بھی کہا جاتا ہے' اسی طرح "کل جگ کو کر جگ بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں قدیم الاصل سیاہ فام ہندیوں کو قدیم تورانی الاصل زرد فاموں نے "قراء" کا نام ان کی سیاہ رنگت کے پیش نظر ہی نہیں دیا تھا' بلکہ اس نام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قدیم ہندی

الاصل سیاہ فام' دریاؤں کے کنارے نسبتاً دلدلی یا کچی زمینوں میں نرسلوں کے بنے ہوئے عارضی گھروں میں رہتے تھے۔ نرسل کو اب بھی پنجابی و سرائکی زبانوں میں "کانا" کہتے ہیں جو بلاشبہ قراء یا کالا ہی کی ایک شکل ہے۔ نرسل وہی پودا ہے جس کو تراش کر لکھنے کے لئے قلم بنائی جاتی ہے۔ قدیم تورانی الاصل زرد فام منگول بنیادی طور پر ان پہاڑوں کے باسی تھے جہاں برف باری کثرت سے ہوتی ہے۔ وہ لوگ ابتدائی تہذیب کے دور میں جانوروں کی کھال اور ان کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں رہتے تھے۔ ان پہاڑوں پر نہ تو نرسل کے پودے اگتے تھے نہ ہی ایسے دلدلی علاقے تھے' جہاں گھنے جنگلات کی اسقدر بہتات ہو کہ سورج بھی نظر نہ آئے۔ ان کی زندگی کھلے اور روشن علاقوں میں گذرتی تھی اور ظاہر ہے ان کے خیمے بھی روشن و ہوا دار ہوتے تھے۔ اس کے برعکس قدیم ترین سیاہ فام ہندی اس علاقے کی ساحلی اور دلدلی زمینوں میں ان جھگوں پر نرسل کے گھر تعمیر کرتے تھے جو گھنے جنگلات میں گھری ہوتی تھیں اور جہاں اس علاقہ کے موسموں کی شدت سے بھی وہ لوگ محفوظ رہتے تھے' نیز وہ لوگ چونکہ گلہ بان تھے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پالتے تھے' لہٰذا ان کے گھروں کے ارد گرد سبز چارہ بھی بکثرت اور وافر مقدار میں مل جاتا تھا۔ ان قبل از دراوڑی تہذیب کے سیاہ فام ہندیوں کے نرسل کے بنے ہوئے گھر اسی وجہ سے دن کے وقت بھی رات کا سماں پیش کرتے تھے اور وہاں اندھیرا رہتا تھا۔ چنانچہ جب پہلے پہل زرد فام تورانی حملہ آور کی حیثیت سے اس خطہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے اندھیری شکل والے سیاہ فام ہندیوں کے اس قسم کے تاریخ گھر دیکھے تو وہ بڑے حیران ہوئے اور انہوں نے غالباً پہلے پہل ان تاریک گھروں کو ہی قرا کا نام دیا۔

## قدیم ترین ہندی الاصل سیاہ فاموں کا تمدن

قدیم ترین اور قبل از ہڑپائی دور کے ہندی الاصل سیاہ فاموں کے متعلق ہم لفظ "کالا" کے ماخذ و مفہوم کی بحث میں واضح کر آئے ہیں کہ یہ لوگ اپنے ابتدائی تمدن کے دور میں گھنے و تاریخ جنگلات میں نرسل کے بنے ہوئے گھروں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنی رہائش کے لئے گھنے جنگلات کا انتخاب اس لئے کرتے تھے:۔

(ا) وہ موسموں کی شدت سے محفوظ رہیں

(ب) ان کے لئے شکاری پرندوں' جانوروں اور ساگ پات کے علاوہ موسمی پھلوں کی بھی وہاں فراوانی تھی۔

(ج) ان کے پالتوں جانوروں یعنی بھیڑوں اور بکریوں کے لئے وہاں چارہ بھی عام تھا۔

(د) دلدلی اور کچے کے ان گھنے جنگلات پر مشتمل علاقوں میں نرسل کے خودرو دریائی پودے بے تحاشہ اگتے تھے جن کے بڑے بڑے گٹھے بنا کر نہ صرف وہ اپنے گھر تعمیر کرلیتے تھے بلکہ ان سے کشتیاں بھی آسانی سے بنا لیتے تھے۔

(ح) اس قدیم و تاریک دور مین گھنے جنگلات ان لوگوں کی آبادیوں کے لئے قدرتی قلعوں کا کام بھی دیتے تھے۔ ظاہر ہے خار دار جھاڑیوں سانپوں اور جنگلی درندوں کی موجودگی میں کسی بھی بیرونی حملہ آور کی دسترس سے وہ لوگ محفوظ رہتے تھے۔ جبکہ بذات خود وہ لوگ گروہوں یا قبیلوں کی شکل میں اکھٹے رہتے تھے لہٰذا ان بلاؤں سے نپٹنا بھی جانتی تھے۔

(ط) آگ جلانے کے لئے یا ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کے لئے لکڑی بھی ان جنگلات میں آسانی سے دستیاب تھی۔

تاہم ہماری اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ قدیم ترین دور کے تمام کے تمام ہندی الاصل سیاہ فام گھنے جنگلات ہی میں آباد تھے۔ یہاں کے پہاڑوں میں بھی ہمیں کئی ہندی الاصل سیاہ فاموں کی آبادی کے سراغ ملتے ہیں۔ ہمارے خیال میں قدیم ترین سیاہ فام ہندی الاصل لوگ دو اقسام کے تھے۔ لمبے اور سیاہ بالوں والے سیاہ فام غالبًا پہاڑی علاقوں کے باسی تھے جبکہ گھنگریالے بالوں والے (Bushmen قسم کے لوگ)

جنگلات میں نرسل کے بنے ہوئے گھروں میں رہائش رکھتے تھے ان دونوں اقسام کا برسبیل تذکرہ ہم آئندہ اوراق میں بھی کریں گے۔ البتہ ان دونوں قسموں کے سیاہ فام ہندیوں کی قدر مشترک یہی تھی کہ وہ گلہ بان تھے اور بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ پالتے تھے۔ قبل از ہڑپائی دور کی آج تک جتنی بھی مہریں یا تصویریں علمائے آثار کو ملی ہیں ان پر بکری یا بھیڑ کی تصاویر ہمیں بہت زیادہ ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے ابتدائی دور کے برتنوں پر بھی بکری و بھیڑ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ دریائے سندھ کے کناروں کے ساتھ ساتھ قراقرم و گلگت کے علاقوں میں جگہ جگہ چٹانوں پر بکری' بھیڑ اور ہرن کی کھدی ہوئی تصویریں ملی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ بھیڑ اور بکری کی پیداوار اس علاقے میں بہت زیادہ تھی اور ان لوگوں کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار انہیں کے ریوڑوں یا شکار پر تھا۔ یہ لوگ کئی صدیوں اور قرنوں تک دنیا کی باقی ماندہ اقوام سے الگ تھلگ اور کٹی ہوئی زندگیاں گزارتے رہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ قدیم ترین اور قبل از ہڑپائی دور کے سیاہ فام ہندی مادری نظام حیات رکھتے تھے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے اور اس پر ہم ان لوگوں کے مذہب کے عنوان کے تحت بحث کریں گے۔ یہ لوگ لباس کا استعمال ہرگز نہیں جانتے تھے اور خصوصاً گھنے جنگلوں کے باسی سیاہ فام ننگ دھڑنگ رہتے تھے۔ ہندوستان میں ماضی قریب تک ایسے سیاہ فام قبائل موجود رہے ہیں جو لباس نہیں پہنتے تھے بلکہ انگریزوں کے دور تک سیاہ فاموں کے ایسے قبائل موجود تھے۔ بہرکیف اس موضوع پر بھی ہم آئندہ اوراق میں حسب موقع بحث کریں گے۔ گلہ بانی کے علاوہ دلدلی اور ساحلی جنگلات کے قدیم ترین سیاہ فام مچھلی کے گوشت پر بھی گذر بسر کرتے تھے۔ عائلی قوانین سے وہ لوگ یکسر بے خبر و نابلد تھے اور ان کے معاشرے کی بنیاد جنسی اشتراک پر استوار تھی۔ جنگلات کے رہنے والے سیاہ فام ہندی زیادہ تر لکڑی کے بنے ہوئے ہتھیار و اوزار استعمال کرتے تھے اور انہیں سے وہ لوگ جانوروں کو شکار کرتے تھے اور موذی جانوروں سے اپنی حفاظت کرتے تھے۔ آگ کے استعمال سے وہ لوگ بخوبی واقف تھے اور اسے غالباً ہر وقت جلائے رکھتے ہوں گے تاکہ سردیوں میں سردی کی شدت سے محفوظ رہیں اور جنگلی درندے بھی ان کے گھروں کا رخ نہ کرنے پائیں۔

## قدیم ترین ہندی الاصل سیاہ فاموں کا مذہب

قدیم ترین اور قبل از ہڑپائی دور کے ہندی الاصل سیاہ فاموں کے ابتدائی مذہب کے متعلق ہم تفصیل سے اگرچہ کچھ نہیں جانتے' تاہم ایک بات پر تمام ماہرین و علما متفق ہیں کہ وہ "ناگ" اور "لنگ" کی پوجا کرتے تھے۔ اور ہڑپائی دور کی سیاہ فام اقوام میں جو قدیم ترین ہندی الاصل سیاہ فاموں اور زرد فام منگولوں کا ملغوبہ تھیں' ناگ اور لنگ کی پوجا کا رواج انہیں قدیم ترین ہندی سیاہ فاموں سے آیا تھا۔ ناگ اور لنگ کی پوجا کا رواج قدیم ترین ہندی سیاہ فاموں میں کیسے آیا اور کس بنیادی فلسفہ کی بنا پر انہوں نے ان کی پوجا شروع کی' اس پر ہم آئندہ سطور میں تفصیل سے بحث کریں گے۔

## "لنگ" کا ماخذ و مفہوم

"لنگ" کا لفظ عموماً "ل" کے نیچے زیر کے ساتھ "لِنگ" پڑھا جاتا ہے' لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ اصل قدیمی تلفظ "ل" پر زبر کے ساتھ "لَنگ" تھا۔ سرائیکی زبان میں اس لفظ کا آخری "گ" حذف ہوجاتا ہے اور "ل" پر زبر لگا لیتے ہیں۔ پنجابی میں آخری لفظ "گ" کے بجائے "ڈ" لگا لیتے ہیں اور "ل" پر زبر کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ گویا ہماری علاقائی زبانوں میں "ل" پر زبر لگائی جاتی ہے جو اس امر کی شہادت ہے کہ ابتدائی تلفظ "ل" پر زبر کے ساتھ "لَنگ" ہی رہا ہوگا' انگریزی زبان میں یہ لفظ "لانگ" (LONG) بمعنی لمبائی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ انگریزی کا لفظ لائن (LINE) بمعنی لکیر بھی اسی سے مشتق ہے۔ عربی میں بھی "لنگ" کو "کیر" کہتے ہیں۔ "لنگ" سے ہماری علاقائی زبانوں کے بے شمار الفاظ نکل کر مختلف معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً ہم "کھیرا" (سلاد میں کھانے کی ایک سبزی یا پھل) کو اس پھل یا سبزی کی لنگ کے ساتھ ظاہری مشابہت ہی کی وجہ سے "کھیرا" کہتے ہیں جو غالباً عربی لفظ "کر" ہی کی شکل ہے جس کے آخری حرف "ر" پر حسب ہم نے زبر یا اس کے اوپر آدھا "ا" لگا لیا ہے۔ لونگ جسے انگریزی زبان میں CLOVE کہتے ہیں' بھی "لنگ" کے ساتھ مشابہت ہی کی وجہ سے یہ نام پایا ہے ممکن ہے لفظ LOVE بمعنی محبت بھی اسی CLOVE

سے مشتق ہو۔ہم گرم مصالحہ اور خوشبو کے طور پر کھانوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ظاہری شکل کے اور شاید اسی مشابہت کی بنا پر لنگ شرم و حیا کے معنوں میں لفظ "لاج" کے تلفظ کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور عضو مخصوص کو اب بھی علاقائی زبان میں شرم گاہ کہتے ہیں۔ لاج انگریزی لفظ LONG ہی کی قبیل کا لفظ لگتا ہے جس کا آخری حرف "G" ج کے ساتھ بدل گیا ہے۔ خواتین ناک کی سجاوٹ کے لئے ایک زیور استعمال کرتی ہیں اور اسے بھی لونگ کہا جاتا ہے یہ زیور بھی لنگ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

اس لفظ کی مزید تشریح و تفہیم کے لئے ہمارے پاس علاقائی و غیر ملکی زبانوں کی بے شمار لسانی شہادتیں اور مثالیں موجود ہیں' لیکن اس کی مزید تشریح و تفہیم فحش گوئی کے زمرے میں آئے گی' لہٰذا ہم "لنگ" کے ماخذ و مفہوم کی بحث کو یہیں پر ختم کرتے ہیں اور لفظ "ناگ" کے ماخذ و مفہوم پر بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

## "ناگ" کا ماخذ و مفہوم

"ناگ" ہم صرف کالے سانپ ہی کو کہتے ہیں۔ سانپوں کی بے شمار قسمیں ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں' لیکن ہر قسم "ناگ" نہیں کہلاتی' صرف سیاہ اور پھن والے سانپ کو ہی ناگ کہا جاتا ہے اور اسی ناگ ہی کی پوجا کا رواج قدیم ترین ہندی سیاہ فاموں میں رہا ہے۔ ناگ کا انگریزی زبان میں "کوبرا" کہتے ہیں اور ہمارے یہاں اس کے ساتھ کئی اساطیری و دیو مالائی داستانیں وابستہ ہیں جن کا تذکرہ ہم حسب موقع کریں گے۔ بہرکیف کالے ناگ کو ہم علاقائی زبانوں یعنی پنجابی سرائیکی میں "نانگ" کہتے ہیں' جبکہ اردو میں اسے ناگ کہا جاتا ہے۔ "لنگ" کی تشریح و تفہیم ہم کر آئے ہیں اور ہمارے خیال میں "نانگ" کا لفظ بھی لنگ ہی سے مشتق لگتا ہے۔ نانگ (کالے سانپ) کے پھن اور اس کے جسم کی مشابہت بھی "لنگ" سے بہت گہری ہے اور اس کی وضاحت کے لئے ہماری علاقائی زبانوں میں بے شمار ضرب الامثال اور محاورے موجود ہیں' جن کا تذکرہ درست نہیں ہے۔ بہرکیف ہم "نانگ" اور "لنگ" کی مشابہت دیگر مثالیں دے کر واضح کریں گے۔ مثلاً جس طرح ہم لنگ کو شرم گاہ کہتے ہیں اسی طرح

لفظ نانگ (ناگ) سے ماخوذ ناگا کو بھی بے شرم ننگا یا برہنہ کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ چھوٹی پگڈنڈی (پیدل چلنے کا راستہ) کو جو سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی نظر آتی ہے' کو ہم لانگھا کہتے ہیں جو اسی ناگا سے ہی ماخوذ ہے۔ سیدھی و لمبی لکڑی یا بانس کو ہم پنجابی زبان میں ڈانگ کہتے ہیں' اسی طرح نیزے کو ہم سرائیکی زبان میں "سانگ" کہتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ ایک ہی قبیل کے ہیں اور ان کا ماخذ "لنگ" اور "نانگ" ہے۔

## "لنگ" اور نانگ (ناگ) کی پوجا کا بنیادی فلسفہ

"لنگ اور ناگ میں باہم چولی و دامن کا ساتھ رہا ہے اور ان دونوں کی پوجا یہاں کی قدیم ترین اور قبل از ہڑپائی دور کی سیاہ فام قوموں کا شعار رہا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قدیم ترین ہندی سیاہ فام قومیں گھنے جنگلات میں مادر زاد برہنہ رہتی تھیں۔ وہ ایک اشتراکی جنسی معاشرہ تھا۔ لنگ کو نہ تو چھپایا جاتا تھا اور نہ ہی اس کی ستر پوشی کی جاتی تھی۔ ان کی عورتیں و مرد دیگر جنگلی جانوروں کی طرح کھلے عام باہمی ملاپ کے عادی تھے اور کوئی روک ٹوک پردہ یا شرم و حیا نہیں کی جاتی تھی۔ وہ لوگ لنگ سے خارج ہونے والے مواد کو مادہ حیات جانتے تھے اور جنسی ملاپ کے نتیجے میں حمل و وضع حمل کی باریکیوں سے آگاہ تھے۔ دوسری طرف کالا ناگ (نانگ) یہاں کے ساحلی اور ریگستانی علاقوں اور جنگلوں میں عام پیدا ہوتا تھا' جو ان بے حد کالے لوگوں کے "لنگ" کے ساتھ رنگت کے اعتبار سے بھی اور شکل کے لحاظ سے بھی گہری مشابہت رکھتا تھا۔ ایک طرف تو یہ بات ان کے روزانہ کے مشاہدے میں آتی تھی کہ "لنگ" سے جو مادہ (مائع) خارج ہوتا ہے اس سے عورت کے رحم میں بچہ پرورش پاتا ہے گویا دوسرے لفظوں میں اس سے زندگی پیدا ہوتی ہے دوسری طرف نانگ (کالا سانپ یا کوبرا) کے' جو لنگ ہی کا ہم شکل ہے' کاٹنے سے زندگی ختم ہوجاتی ہے یا انسان مرجاتا ہے۔ سانپ کے کاٹنے سے بھی اس کے منہ سے ایک مادہ (مائع کی شکل میں زہر) خارج ہوتا ہے اور جنسی ملاپ کے نتیجے میں "لنگ" سے بھی ویسا ہی مائع شکل کا مادہ نکلتا ہے جو ایک نئی زندگی کو جنم دیتا ہے۔ ہماری علاقائی زبان میں اب بھی لنگ کو نفس بمعنی ہستی' زندگی یا سانس کہتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ بنیادی فلسفہ تھا جس کے تحت ان لوگوں

نے لنگ اور نانگ کی پوجا شروع کی۔ نانگ کی پوجا انہوں نے اس وجہ سے شروع کی کہ اس کے وجود سے نکلنے والا مادہ یا زہر زندگی لیتا ہے یا انسان کو مار دیتا ہے جبکہ "لنگ" کی پوجا اس بنا پر کی گئی کہ اس سے خارج ہونے والا مادہ زندگی دیتا ہے یا اس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ گویا اس اعتبار سے "نانگ" موت کا دیوتا قرار پاتا ہے اور لنگ زندگی کا' اور یہی وہ بنیادی فلسفہ تھا جس کی بنا پر قدیم ترین ہندی الاصل سیاہ فاموں میں ان کی پوجا کا رواج شروع ہوا تھا۔ بعد میں لنگ اور نانگ کی خصوصیات "شیو" کی ذات میں جمع کرکے اسے مہادیو بنا دیا گیا اور اس کی پوجا شروع ہوئی۔ البیرونی کتاب الہند میں شیو کو ہندی دھرم کی رو سے مہادیو قرار دیتا ہے۔ بذات خود شیو گویا موت کا بادشاہ بن گیا جبکہ اس کا لنگ زندگی کا دیوتا ٹھہرا۔

## نانگ (ناگ) سے وابستہ اساطیر

پاک و ہند کے قدیم ترین سیاہ فاموں کی زندگیوں میں ناگ کا بہت زیادہ عمل دخل تھا۔ خصوصاً جن ساحلی جنگلات میں ان کے نرسل کے بنے ہوئے گھر ہوتے تھے وہاں یہ سانپ بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ یہ بات آئے دن ان لوگوں کے مشاہدے میں آتی رہتی تھی کہ ایک شخص کو اس سانپ نے کاٹا اور وہ وہیں پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کالے یا کوبرے سانپ کے متعلق یہ ضرب المثل آج بھی زبان زد خاص و عام ہے کہ جب کاٹتا ہے تو انسان کو پانی تک نہیں مانگنے دیتا۔ گویا اس کا زہر اس قدر سریع الاثر ہوتا ہے کہ انسان فوراً مر جاتا ہے۔ اس بات کو وہ سادہ لوح لوگ سانپ کی روحانی قوت پر محمول کرتے تھے۔ ہندوؤں میں ماضی قریب تک یہ نظریہ موجود رہا ہے کہ جو سانپ جتنے آدمیوں کو ڈس کر ہلاک کردے اس کی روحانی قوت اتنی ہی بڑھ جاتی ہے اور جن آدمیوں کو وہ ڈس کر مار دیتا ہے ان کی ارواح اس کے اندر سرایت کر جاتی ہیں۔ آدم خور شیروں اور چیتوں کے متعلق بھی ان کا یہی نظریہ رہا ہے کہ وہ جس قدر زیادہ آدمی کھا جاتے ہیں اسی قدر ان کی روحانی قوت بڑھ جاتی ہے۔ سانپ کو دیوتا کا درجہ بھی اسی وجہ سے دیا گیا اور یہاں کی اقوام میں اس کی پوجا کا رواج سانپ سے منسوب اسی روحانی قوت کی وجہ سے شروع ہوا۔ آج کے ترقی یافتہ اور سائنسی دور میں بھی نسبتاً

ہمارے دیہی علاقوں میں سانپ سے وابستہ اساطیر اور ماورائی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور ہمارے سادہ لوح دیہاتی انہیں درست بھی مانتے ہیں۔ سانپ کی روحانی یا ماورائی قوت پر کئی فیچر فلمیں بھی بن چکی ہیں جن مین عموماً یہ دکھایا جاتا ہے کہ سانپ اپنی جون (ہیئت) بدل کر انسان کا روپ بھی دھار سکتا ہے۔ آج کے سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں جب یہ حال ہے تو آج سے ہزاروں سال پہلے جب انسان نیم متمدن و نیم وحشی تھا' سانپ کے متعلق لوگوں کے جو نظریات ہوں گے' ان کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

سانپ کی پوجا کے آثار پاک و ہند کے تقریباً تمام خطوں میں ملے ہیں۔ کشمیر کے موضوع پر پنڈت کلہن کی لکھی گئی قدیم ترین کتاب راج ترنگینی اور نیلا مت پوران میں سانپ سے وابستہ کئی قصے بیان ہوئے ہیں۔ کشمیر کے تمام تر پانی کے چشموں کے نام ناگوں کے نام پر رکھے گئے ہیں جو اب بھی مشہور ہیں۔ یہی حال بلوچستان کا ہے اور وہاں بھی چشموں اور ندی نالوں کے نام سانپوں کے نام پر رکھے ہوئے ہیں۔ قدیم ترین ہندی سیاہ فاموں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ پانی کے چشمے اور دریا سانپوں یا ناگوں کے منہ سے نکلتے ہیں۔

بہر صورت پاک و ہند میں سانپ کی ماورائی قوت کے متعلق آج بھی کئی کہانیاں اور لوگ قصے مشہور ہیں جو عموماً حسب ذیل مفہوم کے حامل ہیں۔

(ا) سانپ یا کالے ناگ کی عمر جب سو سال سے تجاوز کر جائے تو وہ ماروائی قوت کا حامل بن جاتا ہے اور جو شکل مرضی آئے' اختیار کرلیتا ہے خصوصاً جب چاہے انسان کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

(ب) لوک قصے و کہانیوں میں عموماً یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خوبصورت خاتون پر ایک بادشاہ دل و جان سے عاشق ہوگیا۔ اور اسے اپنی ملکہ بنا لیا۔ لیکن وہ ملکہ درحقیقت ناگن تھی جس نے انسان کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اس عورت نما ناگن سے شادی کرنے کے بعد بادشاہ بتدریج بیمار ہونا شروع ہوجاتا ہے اور بالاخر بے حد لاغر و کمزور

ہوجاتا ہے وجہ یہ ہے کہ س ناگن نژاد خاتون سے جنسی ملاپ کے نتیجے میں اس کا زہر بادشاہ کے جسم میں سرایت کرتا جارہا ہے۔ بالآخر وزیر دانا اس بات کو بھانپ لیتے ہیں اور سپیرے کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں۔ سپیرا بین پر ایک مخصوص دھن الاپتا ہے، جسے سن کر ملکہ عالیہ اپنی اصل حالت، یعنی ناگن کی شکل میں ظاہر ہوجاتی ہے اور بین کی اس مخصوص دھن پر لہرانا شروع کردیتی ہے۔ یوں ڈرامے یا کہانی کا ڈراپ سین ہوتا ہے اور اس ناگن ملکہ کو بعد از خرابی بسیار بالآخر مار دیا جاتا ہے۔

(۳) ایک قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ناگ اور ناگن دونوں اکٹھے رہتے ہیں اور دونوں میں باہم بے حد محبت ہے۔ کوئی قسمت کا مارا انسان ان میں سے کسی ایک کو مار ڈالتا ہے اور مرنے والے ناگ یا ناگن کی آنکھوں میں قاتل کی تصویر محفوظ ہو جاتی ہے، چنانچہ جب اس کا ساتھی ناگ یا ناگن اپنے محبوب کی آنکھوں میں جھانکتا ہے تو اسے قاتل کی تصویر نظر آجاتی ہے اور وہ اسے پہچان لیتا ہے۔ اس کا پیچھا کرتا ہے اور چاہے وہ قاتل سات سمندر پار ہی کیوں نہ چلا جائے اسے ڈس کر اور ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔

(۴) ناگ کو اور خصوصاً پھن والے سیاہ ناگ کو بڑے بڑے خزانوں اور زمینوں کا محافظ بھی سمجھا جاتا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی خزانے دفن ہوں وہاں کالے ناگوں کا جوڑا ضرور پہرہ دیتا ہے جو اس خزینہ یا دفینہ تک پہنچنے والے مہم جو لوگوں کو ڈس کر ہلاک کردیتا ہے یا پھر کوئی مہم جو سانپوں کے اس پہریدار جوڑے کو ہلاک کرکے

خزانہ حاصل کرلیتا ہے ہوس پرست اور کنجوس لیکن امیر انسان کے لئے آج بھی یہی مثال دی جاتی ہے کہ وہ خزانے پر ناگ بن کر بیٹھا ہے۔

(۵) کئی قصوں میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ناگ جب پھنکارتا ہے تو اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں' جو سامنے آنے والی ہر چیز کو جلا کر بھسم کردیتے ہیں۔

(۶) اس قسم کے قصے اور کہانیاں بھی عام سننے کو ملتی ہیں کہ سانپ یا ناگ انسان کا سانس پی جاتا ہے۔ کہانی کی رو سے ایک قسمت کے مارے شہزادے یا شہزادی کا اس وقت کسی سانپ نے سانس پی لیا جب وہ کسی جنگل مین گھنے درخت کی چھاؤں میں خواب استراحت کے مزے لے رہا تھا۔ شہزادے یا شہزادی کی اس موت پر اس کی رعایا میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ بالاخر کسی ماہر سپیرے کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں جو اپنی بین کی دھن پر اس سانپ کو مست کرکے اسے قابو کرلیتا ہے اور پھر اسے مجبور کردیتا ہے کہ اس نے بادشاہ سلامت یا ملکہ عالیہ کا جو سانپ پی رکھا ہے اسے لوٹا دے۔

(۷) کئی قصوں میں مافوق الفطرت جنات بھی سانپ کا روپ دھار لیتے ہیں۔

الغرض اسی قسم کے کئی قصے اور کہانیاں ہمیں آج بھی سننے کو ملتی ہیں جو سانپ کی ماورائی قوتوں کے متعلق عوام میں مشہور ہیں۔ مذہب میں بھی گویا سانپ کا عمل دخل اسی بنا پر ہے۔ سیاہ فام ہندی تو باقاعدہ اس کی پوجاپاٹ کرتے رہے ہیں۔ جبکہ کئی دیگر مذاہب میں بھی سانپ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ آدم و حوا کے جنت والے آسمانی قصے میں بھی شیطان سانپ کے ذریعے حوا کو زیر کرتا ہے۔ حکیم اور وید لوگ بھی سانپ کے زہریا اس کے جسم کے دیگر حصوں سے کئی ایسی دوائیں بنانے کے دعویدار

رہے ہیں ان کے استعمال سے بوڑھے جوان ہوجاتے ہیں اور کئی شادیاں رچانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ مداری لوگ سانپ کے منہ میں ایک ایسے منکے بھی موئید ہیں جو سانپ کے زہر کیلئے تریاق کا کام دیتا ہے اور انسان کو جس جگہ پر سانپ کاٹ لے یہ منکہ اس زخم والی جگہ پر چپکا دیا جائے تو وہ سانپ کا زہر چوس لیتا ہے

## شیش ناگ کا تصور

ناگ کی پوجا کی ابتدا پاک و ہند کی قبل از ہڑپائی دور کی سیاہ فاموں اقوام نے کی تھی اور اس پوجا کے متعلق ان کا مذہبی فلسفہ ہم اورق سابقہ میں بیان کر آئے ہیں۔ بعد کے نامعلوم زمانوں میں غالباً ۳۰۰۰ قبل مسیح سے بھی پہلے ہندوستان پر زرد فام تورانیوں نے باب تورانی کے راستے سے حملہ کیا اور پھر یہ قوم بتدریج یہاں کے مفتوح سیاہ فاموں میں مخلوط ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ دو اقوام کے اس اختلاط کے صدیوں کے عمل کے نتیجے میں یہاں ایک نئی قوم نے جنم لیا' جسے ماہرین دراوڑی قوم کا نام دیتے ہیں اور جس نے ہڑپہ و موہینجوداڑو کی تہذیبوں کی بنیاد رکھ کر انہیں ترقی کے نقطہ عروج تک پہنچایا تھا۔ یوں یہاں کے قدیم ہندی الاصل سیاہ فاموں اور منگول نسل کے زرد فام تورانیوں کے مذہبی عقائد باہم خلط ملط ہوگئے اور اس خطہ میں اس اختلاط کے باعث ایک نئے مذہب نے بھی جنم لیا۔ شیش ناگ کا تصور غالباً انہیں دو اقوام کے باہمی اختلاط کی یادگار ہے۔ قدیم زرد فام تورانی خدا کو شان یا شاہ کا نام دیتے تھے' جیسا کہ ہم نے اپنی ایک اور کتاب "گوجروں کی تاریخ" میں اس بات پر لسانی و تاریخی حوالوں کے ساتھ بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ شیش ناگ کے ساتھ شیش کا سابقہ دراصل زرد فام تورانیوں کے خدا "شا" یا "شان" سے نکلا ہے۔ قدیم زرد فام منگولوں میں پہاڑی گائے (ژاک) کی پوجا کا رواج تھا اور اس گائے کے نتھنوں سے غصے کے وقت پھنکارنے کے نتیجے میں شاں شاں کی آواز نکلتی ہے اور اس آواز کو قدیم زرد فام منگول گویا اپنے خدا کی آواز سمجھتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے اپنے آسمانی خدا کا نام بھی "شان" یا "شا" رکھا ہوا تھا۔ جب زرد فام تورانی الاصل منگول حملہ آور کی حیثیت میں ہند میں داخل ہوئے اور یہاں کے لوگوں کو زیر کرکے ان میں رچ بس گئے تو انہوں نے خصوصاً کوبرا

ناگ کو پھنکارتے ہوے سنا تو اس کی شاں شاں کی پھنکار کو بھی انھوں نے اپنے خدا کی آواز قرار دیا اور پھر اس کا نام شیش ناگ رکھدیا۔ شیش ناگ کے متعلق بھی بے شمار قصے و کہانیاں ہمارے عوام میں مشہور ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں شیش ناگ آجائے وہ خزانے کا مالک بن جاتا ہے۔

# نوع انسانی کی پہلی مہذب قوم۔ سیاہ فام

نسل انسانی کے ارتقائی تاریخ کے متعلق ہمیں جس قدر بھی تاریخی، اثری، لسانی اور ثقافتی شہادتیں آج تک ملی ہیں، وہ سب کی اس نظریہ پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں کہ خطہ ارضی پر نوع انسانی کی پہلی مہذب قوم سیاہ فام تھی۔ یہی قوم سب سے پہلے وحشت سے تمدن کی طرف آئی تھی۔ اور اسی نے خطہ ارضی پر نہ صرف انسانی تہذیب کی بناء ڈالی تھی بلکہ اسے ترقی دے کر نقطہ عروج پر بھی پہنچایا تھا۔ پاکستان میں دریافت شدہ ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی تہذیبوں کے آثار، دمشق میں دجلہ و فرات کے اطراف و اکناف میں دریافت شدہ قدیم ترین، بابلی و سومیری تہذیب کے آثار، مصر میں نیل کی قدیم ترین فرعونی تہذیب کے آثار، یونان و روما میں کریٹ کی تہذیبوں کے آثار وغیرہ یہ سب آثار ہمیں یہی ایک کہانی سناتے ہیں کہ یہ تمام سیاہ فام تہذیبیں اپنے دور کی ترقی یافتہ و مہذب ترین تہذیبیں تھیں، اور اگر اس قدیم دور کے زرد فام اور گورے وحشی انسانوں کے ہاتھوں پر تہذیبیں ملیامیٹ نہ کردی گئی ہوتیں تو آج کا انسان مادی ترقی کے اعتبار سے موجودہ اسٹیج سے کئی سال آگے ہوتا۔ اور دور حاضر کا انسان محلو رتا نہیں بلکہ حقیقتاً اوج ثریا پر بستیاں بسا چکا ہوتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دور وحشت میں زیادہ تر سفید فام اور زرد فام نسل کے وحشی انسان ہی انسانی ترقی کی راہ میں حائل رہے ہیں۔ پہاڑوں کے پروردہ یہ وحشی انسان، میدانی علاقوں کی باسی سیاہ فام قوم پر نہ صرف مسلسل و پیہم قہرالٰہی بن کر ٹوٹتے رہے بلکہ سیاہ فاموں کی استوار کردہ مہذب تہذیبوں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا کر انسانی ارتقاء اور مادی ترقی کا راستہ روکتے رہے۔ گوروں اور زرد فاموں کے ہاتھوں سیاہ فاموں کی تباہی کا یہ عمل سات ہزار قبل مسیح سے شروع ہوا تھا، اور موجودہ صدی کے اوائل تک جزوی طور پر پوری شد و مد سے جاری رہا۔ بہرکیف یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و واشگاف ہے کہ موجودہ صدی کے دوران ہونے والی آثار کاویوں کے دوران ماضی کی جتنی بھی قدیم ترین تہذیبوں کے آثار دریافت ہوئے ہیں وہ زبان حال سے ہمیں سیاہ فام قوم کی عظمت و دانائی کی کہانیاں سناتے نظر آئے ہیں۔ ذیل کی سطور

میں ہم اب تک کی دریافت شدہ دنیا کی ان تمام تہذیبوں کا اپنے قارئین کو ایک ہلکا سا عکس دکھائیں گئے، جن کے بانی سیاہ فام تھے۔

## (ا) بابل و سومیر (عراق و عرب) کی سیاہ فام تہذیب

علمائے آثار کی ایک بڑی جماعت اس نظریہ کی حامی ہے کہ دنیا کی تمام تہذیبوں کی ماں بلکہ تمدن انسانی کا نقطہ آغاز میسو پوٹیمیا (بابل و سومیر) کی تہذیب ہے۔ اسی تہذیب کی بانی قوم نے ہی سب سے پہلے خطہ ارضی پر بستیاں بسائیں، زراعت کے فن کو ترقی دی اور قلم سے لکھنا ایجاد کیا، دنیا کی اقوام کے مابین تجارت کو متعارف کرایا، دنیا کی پہلی باضابطہ حکومت قائم کی، حساب اور علم ہندسہ ایجاد کیا جسے ہماری جدید سائنس کے کمیتی قوانین کی اولیں بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے، علم طبیعات اور علم نجوم کی بنیادیں استوار کیں، اور مختلف دھاتوں کا استعمال شروع کیا۔

یہ تمام کارنامے انسانوں کی پہلی ذہین ترین اور مہذب ترین قوم، قوم سیاہ فام نے انجام دئے تھے اور دور حاضر کے جدید سائنسی و مادی علوم کی بنیادیں اسی قوم نے رکھی تھیں۔ قوم سومیر کون تھی؟۔ اس بارے میں اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ عظیم قوم سیاہ فام تھی۔ اس بات کی تائید میسو پوٹیما سے دریافت ہونے والے کئی آثار و شواہد سے ہوتی ہے

ہمارے خیال میں قدیم قوم سومیر، اگرچہ خالصتا سیاہ فام نہیں تھی بلکہ قدیم ہندی دراوڑیوں کی طرح زرد فاموں اور سیاہ فاموں کا ملغوبہ تھی، تاہم ان پر غالب اثر سیاہ فاموں ہی کا تھا۔

## سوڈان، حبشہ یا افریقہ کی کالی تہذیب

کئی علمائے تاریخ دنیا کی ابتدائی تہذیب کو "عظیم کالی تہذیب" کا نام دیتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ یہ تہذیب نہ صرف انسانی تہذیبوں کا گہوارہ تھی بلکہ ان کا منبع اور نقطہ آغاز بھی تھی۔ امریکہ کے ایک معروف تاریخ دان اور محقق چانسلر ولیم کہتے ہیں کہ:۔

> "کالوں کی سرزمین ایک وسیع زمین تھی۔ وہ اپنے اندر ہی ایک بڑی دنیا تھی جو ایک کروڑ بیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ تیونس میں اپنے شمالی ترین نقطہ سے لے کر جنوب میں راس اقھولاس تک یہ پانچ ہزار میل لمبی اور اپنی وسعتوں میں چار ہزار چھ سو میل چوڑی تھی' اور دنیا کا یہ دوسرا سب سے بڑا براعظم سوڈان کے نام سے مشہور تھا۔ جبکہ کالوں کی اصطلاح میں یہ کل علاقہ سلطنت حبشہ (ETHOPIAN EMPIRE) کے نام سے مشہور تھا۔ (یہ) سلطنت حبشہ ایک زمانہ میں شمال میں بحرہ روم سے لے کر جنوب میں آج کے ایتھوپیا' جہاں دریائے نیل نکلتا ہے۔ تک پھیلی ہوئی تھی۔"

گویا اس اعتبار سے عظیم ترین کالی تہذیب کے سوتے حبشہ و افریقہ سے ہی پھوٹے تھے اور انہوں نے ہی اردگرد کے علاقوں کو سیراب کرکے دور قدیم میں جدید ترین تہذیبوں اور انسانی معاشرتوں کی بنا ڈالی تھی۔ اس عظیم ترین و قدیم ترین کالی تہذیب کا نقطہ آغاز غالباً ایتھوپیا یا حبشہ کے "نپاپاٹا" اور "میرو" شہر تھے۔ یاد رہے کہ حبشہ و سوڈان کے الفاظ کے معنی بھی "کالے لوگ" ہیں۔

## لیبیا' ایتھوپیا و مصر کی قدیم ترین کالی تہذیب

بہت کم قارئین اس امر سے آگاہ ہوں گے کہ مصر کی قدیم ترین فرعونی تہذیب بھی سیاہ فام ہی تھی۔ بلکہ اس تہذیب کے ڈانڈے ایتھوپیائی سیاہ فام تہذیب سے ملتے تھے۔ ہم دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیاہ فام تہذیب حبشہ سے نکلی تھی اور دریائے نیل کے اطراف و اکناف میں سفر کرتی ہوئی مصر میں پہنچ کر اس نے بام عروج حاصل کیا تھا۔ ۳۱۰۰ قبل مسیح کا مصری بادشاہ مینس سیاہ فام ہی تھا جس نے

شمالی علاقے فتح کرکے غیر افریقیوں کو ساحلوں کی طرف دھکیل دیا تھا اور حبشہ و مصر کو ایک ریاست بنا دیا تھا۔ گویا آج کی زبان میں ہم جسے قدیم مصری تہذیب' یا قدیم فرعونی تہذیب کا نام دیتے ہیں' وہ اصل کے اعتبار سے سیاہ فام اقوام سے عبارت ہے۔ یاد رہے کہ قدیم مصر کو ایجپٹو (EGYPTO) کا نام دیا جاتا تھا جس کے معنی ہی کالوں کی سرزمین کے ہیں۔ اسی طرح لیبیا کا مطلب بھی کالوں کی سرزمین ہے۔

## یونان و روما کی قدیم ترین تہذیبیں

اکثر علمائے آثار اور مورخین یونان و روما کی قدیم ترین تہذیبوں کے ڈانڈے بھی حبشہ کی سیاہ فام یا عظیم کالی تہذیب سے ملاتے ہیں' بلکہ کریٹ یا ٹرائے سے دریافت شدہ قدیم ترین آثار کا مطالعہ کرنے کے بعد شاید ہی کوئی مورخ یا علم الاثار کا عالم اس بات سے انکار کرسکے کہ یہ تہذیبیں نسل کے اعتبار سے سیاہ فام تھیں۔ اور اپنے دور میں ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچ جانے کے بعد یہ تہذیبیں ملیا میٹ ہوئیں۔

## دنیا کے قدیم ترین سیاہ فام بادشاہ

دنیائے انسانیت کو حکومت و بادشاہت کا بنیادی تصور سیاہ فام قوم نے دیا تھا۔ مصر میں غالباً پہلا فرعون سیاہ فام تھا اور اس وقت مصر کا شمار دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں میں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعد میں نسلی اعتبار سے فرعونوں کے خاندان بدلتے رہے تاہم پہلی بادشاہت کی بنا مصر میں سیاہ فام فرعون نے ڈالی تھی۔ بلکہ مصر کی ایک معروف فرعونہ ملکہ ہشیپوت اور ملکہ نیفر تاری سیاہ فام تھیں۔ ان ملکاؤں نے مصر میں ایک ایسی تہذیب کی بنا ڈالی تھی جسے مورخین کالی تہذیبوں کی ماں کا درجہ دیتے ہیں۔

مصر کے پہلے فرعونوں کے علاوہ ہمارے خیال میں شداد اور نمرود وغیرہ کا تعلق بھی سیاہ فاموں سے تھا۔ خصوصاً نمرود کے متعلق قیاس ہے کہ یہ شخص کالدین قوم کا سربراہ [illegible] تھا اور اسی سے حضرت ابراہیمؑ کا مناظرہ ہوا تھا۔

شداد کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اس نے خطہ ارضی پر ایک جنت بنوائی تھی۔ یہ شخص یمن کے نواح کا حکمران تھا' جہاں اس نے تاریخی روایات کے مطابق

باغ عدن بنوایا تھا۔ عدن دراصل ایک چراگاہ کا نام تھا جو خاصی سرسبز و شاداب تھی۔ گویا فرعون، شداد اور نمرود وغیرہ سیاہ فام اقوام میں سے تھے۔

## پاک و ہند کی قدیم ترین سیاہ فام تہذیب

اس نظریہ پر تمام تر مورخین اور علمائے آثار متفق ہیں کہ پاک و ہند کی قدیم ترین تہذیب سیاہ فام تھی۔ خصوصاً اس ضمن میں ہڑپہ و موہنجوداڑو کی کھدائیوں سے جو آثار دریافت ہوئے ہیں، وہ تمام اس تہذیب کے سیاہ فام ہونے کا پتہ دے رہے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی شکل میں یہ دو شہر اپنے دور کے ترقی یافتہ ترین شہر تھے، بلکہ بعض صورتوں میں تو آج کے مہذب معاشرہ میں بھی ان کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً آج ہماری مملکت خدا داد پاکستان کے کم و بیش اسی فیصد دیہی علاقے سیوریج یا فلش سسٹم کی سہولتوں سے محروم ہیں، جبکہ ہزاروں سال پہلے کہ یہ دو عظیم شہران سہولتوں سے مکمل طور پر آراستہ تھے، آج ہمارے بڑے بڑے شہروں میں ناجائز تجاوزات کی وجہ سے گلیاں، سڑکیں اور بازار اس حسن سے محروم ہیں، جو اس دور قدیم کے ان شہروں کا خاصہ تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہڑپہ و موہنجوداڑو اپنے دور کے "پیرس" تھے اور یہ شاہکار شہر اس دور کے ان سیاہ فام انسانوں کی معاشرت سے وجود پذیر ہوئے تھے جنہیں آج کی تاریخ دراوڑی قوم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ دراوڑ کا مفہوم بھی کالے انسان ہے۔ اسی طرح بلوچستان کا پرانا نام گدروسیا ہے اور گدروسیا کا مطلب بھی کالے لوگ ہے۔

## سیاہ فام تہذیب کا پھیلاؤ اور انجام

ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی ابتدائی تہذیب "عظیم ترین کالی تہذیب" تھی، جو افریقہ، حبشہ، لیبیا، مصر، سوڈان، دمشق، یونان، روما اور پاک و ہند کی سرزمینوں پر ایک ہی وقت میں آباد تھی۔ حیرت اس بات کی ہے کہ ان تمام ممالک کے مابین اس قدیم ترین دور میں بھی بحری و بری رابطوں کے علاوہ تجارتی مراسم بھی تھے۔ علمائے آثار اس بات پر حیرت زدہ ہیں کہ ہڑپہ و موہنجوداڑوں کی مصنوعات نہ صرف بابل و سومیر

میں ملی ہیں بلکہ مصر' حبشہ و سوڈان میں بھی ان کے نشان پائے گئے ہیں۔ گویا یہ عظیم کالی تہذیب نہ صرف دور دراز کے ممالک تک باہمی رسائی اور ربط رکھتی تھی بلکہ ان ممالک کی تہذیبیں ایک دوسرے سے گہری مماثلت بھی رکھتی تھیں۔ گویا اس قدیم ترین دور میں جب زرد فام اور سفید فام اقوام تمدن و معاشرت کے مفہوم سے ہی نا آشنا و نابلد تھیں' سیاہ فام قوم تمدن انسانی کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی۔ اس کی کچھ بنیادی وجوہات تھیں' جن میں مرکزی حیثیت ان زمینی و جغرافیائی عوامل کی تھی جو سیاہ فام قوم کو ابتدائے افرینش سے ہی تمدنی ترقی کے میدان میں میسر تھے۔ زرد فاموں اور سفید فاموں کے دور وحشت کے مامن و مسکن عموماً وہ پہاڑی علاقے تھے جہاں میدانی علاقوں کی نسبت موسم خوشگوار اور معتدل رہتا تھا۔ ظاہر ہے ایسے علاقے نہ تو زراعت و باغبانی کے فروغ کیلئے آئیڈیل تھے اور نہ ہی وہاں سامان زیست کی فراوانی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ایسے علاقوں کے وحشی مکینوں کی گذر بسر شکاری جانوروں کے گوشت یا گلہ بانی پر تھی۔ شاید اسی لئے کہ پہاڑوں کے یہ پروردہ قبائل بہت دیر تک نہ صرف تمدن سے ناشنا رہے بلکہ ان کی گذر بسر بھی صرف شکار کے گوشت پر رہی۔ اور یہ لوگ خانہ بدوشوں جیسی زندگیاں بسر کرتے رہے۔ جبکہ اس کے برعکس سیاہ فام اقوام کے مامن و مسکن عموماً ابتدا سے ہی دریاؤں اور سمندروں کے کنارے یا ساحلی جنگلات رہے ہیں' جہاں فن زراعت و باغبانی کے لئے و سازگار ماحول تھا۔ ان لوگوں کی گذر بسر جنگلی پرندوں کے شکار کے علاوہ مچھلی کے گوشت اور ساگ پات' پھل و پھول وغیرہ پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے پانیوں کو استعمال میں لا کر کھیتی باڑی کے فنون ایجاد کئے' دریاؤں پر پل بنائے' کشتیاں اور بحری جہاز ایجاد کئے اور یوں ہم عصر اقوام کے مابین باہمی تجارت فروغ پذیر ہوئی۔ زراعت و باغبانی کے فن نے ہی ان لوگوں کو سب سے پہلے مقامی ہونے پر مجبور کیا اور دور وحشت کا وہ انسان جو اپنا گھر اپنے کندھوں پر لادے پھرتا تھا' زرخیز زمینوں پر قابض ہو کر کھیتی باڑی میں مصروف ہوا اور یوں بستیاں اور شہر بسنے شروع ہوئے' اور جب یہ بستیاں اور یہ شہر ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچے تو ان پر پہاڑوں کے پروردہ سفید و زرد فام انسانوں کے گلہ بان وحشی انسان چڑھ دوڑے اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ عظیم کالی تہذیب کے پھیلاؤ' ترقی اور پھر اجڑنے کی تاریخ

بے حد طولانی ہے اور کئی جلدوں کی متقاضی ہے جسے ہم نے محض چند سطروں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ ہمارا موضوع صرف اور صرف پاکستان کی سیاہ فام اقوام ہیں۔ مقصد معاشرت انسانی پر اس عظیم انسانی نسل کے احسانات کی قارئین کو محض ایک جھلک دکھانا تھا۔

## ہند و پاک کی سیاہ فام اقوام

پاک و ہند کے قدیم ترین اور اصلی باشندے سیاہ فام تھے۔ عرب مورخین سیاہ فام نسل انسانی کی شجریاتی نسبت حضرت نوحؑ کے بیٹے حامؑ سے ملاتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق تمام (قدیم ترین) اہل ہند (و پاک) حضرت حامؑ کے بیٹے ہند کی اولاد ہیں' جبکہ ہند کے تین بیٹے بھروج' کنباج اور مالراج تھے' ان تینوں کے نام پر ہند میں تین شہر اب بھی آباد ہیں۔ جدید تحقیقات اور آثار کاویوں سے بھی اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ پاک و ہند کی قدیم ترین انسانی نسل سیاہ فام تھی۔ بے شمار تاریخی شہادتیں بھی اس بات کی تائید و توثیق کرتی ہیں کہ اس سرزمین کی اپنی مٹی سے پیدا ہونے والی قوم سیاہ فام تھی۔ ہند و پاک کی ان قدیم ترین سیاہ فام اقوام کے متعلق تمدن ہند کے مشہور مصنف موسیولی بان لکھتے ہیں کہ:۔

> "ہند کے قدیم باشندے سیاہ فام تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کی دو قسمیں تھیں۔ ایک حبشی وش' جن کے بال اونی اور چہرے چپٹے تھے۔ یہ مشرق اور وسط میں رہتے تھے۔ اور دوسرے آسٹریلیا کے حبشیوں کی قسم میں سے تھے' قد آور اور زیادہ ہوشمند اور ان کے بال لمبے تھے۔ یہ جنوب اور مشرق میں بود و باش رکھتے تھے۔ ان میں سے پہلی قوم اس وقت تک گونڈ وانہ کے پہاڑوں میں موجود ہے اور دوسری نیلگری کی وادیوں میں"۔

گویا لی بان کی مطابق اس سرزمین (پاک و ہند) کی مٹی سے جن سیاہ فام اقوام کا خمیر

اٹھایا گیا تھا' ان کی دو قسمیں تھیں پہلی قسم ان سیاہ فاموں کی تھی جن کے بال اونی (گھنگریالے) اور چہرے چپٹے تھے۔ ہمارے خیال میں سیاہ فاموں کی یہ نسل انہیں لوگوں سے مشابہت رکھتی تھی جسے موجودہ ماہرین بشریات کاکیشائی نسل کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم ظاہر ہے سیاہ و چکنی جلد رکھنے والے ان آسٹریلین نما سیاہ فاموں کی تھی' جن کے قد اور بال لمبے تھے۔ ہمارے خیال میں اول الذکر سیاہ فام نسل جسے ہم نے کاکیشائی نسل کا نام دیا ہے' قبل از تاریخ کے دور میں پاک و ہند کے ساحلی جنگلات میں رہتی تھی' جبکہ دوسری قسم کے لمبے تڑنگے سیاہ فاموں کا مسکن غالباً پہاڑی علاقے تھے۔ سیاہ فام نسل انسانی کی ان متذکرہ الصدر دو بنیادی شاخوں میں تقسیم کی اصل وجہ ان کا وہ مرزبوم تھا' جہاں یہ نسلیں رہتی تھیں۔ انسانی نسلوں کے خدوخال کی بناوٹ و تشکیل میں درحقیقت بنیادی کردار اس جگہ کے موسموں اور وسائل زندگانی کا رہا ہے' جس جگہ قبل از تاریخ کے ابتدائی دور میں ان اقوام کا تمدن پروان چڑھا ہے۔ ابتدائی نسل انسانی کے جن ریلوں کو ایک ایسا قطعہ زمین رہائش کے لئے میسر آگیا' جہاں موسموں کی شدت نہیں تھی اور جہاں کا اوسط موسم خوشگوار تھا' اور وسائل زیست کی فراوانی تھی' وہاں کے باشندوں کی رنگت و جلد روز افزوں نکھر کر گوری ہوتی گئی' جبکہ نسل انسانی کے جن ابتدائی خاندانوں کو موسموں کی شدت اور وسائل زندگانی کی عدم فراوانی جیسے حالات سے دو چار ہونا پڑا ان کی رنگت سنولا گئی' اور جلد گہری سیاہ ہوتی گئی۔ خصوصاً گرم مرطوب خطہ زمین کے تو پہاڑی پتھر تک سورج کی تمازت سے پگھل کر سیاہ ہوجاتے ہیں' انسان تو پھر انسان ہے' اور اس کی جلد بے حد نازک اور حساس ہے۔ پاک و ہند کا اوسط موسم چونکہ گرم مرطوب ہے لہٰذا یہ یقینی بات ہے کہ یہاں پیدا ہونے اور پروان چڑھنے والی ابتدائی انسانی نسلیں سیاہ فام ہی ہوں گی۔ ان سیاہ فاموں میں سے جو لوگ یہاں کے گرم مرطوب جنگلی میدانوں میں رہائش پذیر ہوئے ان کے بال گھنگریالے (بش مین کی طرح جھاڑی نما) ہوگئے تھے اور جو لوگ یہاں کے گرم مرطوب پہاڑوں میں یا ان کی وادیوں میں مقیم تھے ان کے بال اس ماحول کی مناسبت سے لمبے و سیدھے رہے۔ بہر کیف یہ اس دور وحشت کی اقوام کا ذکر ہے' جب زراعت و کاشتکاری کا فن یا پیشہ معرض وجود میں نہیں آیا تھا اور انسان پہاڑوں کی

غاروں اور گھنے جنگلات کی چھاؤں سے نکل کر میدانوں میں آباد نہیں ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا دارو مدار ساگ پات' پھل پھول' شہد اور دوسرے جانوروں کے شکار پر تھا۔ بذات خود وہ زمین سے رزق پیدا کرنے کا فن نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ہی ریوڑو گلہ بانی کے طریقوں سے واقف تھا۔ ان فنون کا معاشرت انسانی میں رواج' بہت بعد کی بات ہے۔ قدیم ترین دور وحشت کے ان سیاہ فام پاکستانیوں یا ہندیوں کی اصل نسلیں اب باقی نہیں رہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ اس سرزمین میں انسانوں کی دوسری (زرد فام و سفید فام) نسلوں کے دور قدیم میں پر متواتر و پیہم (ہزاروں سالوں تک) داخل ہونے والے حملہ آور انسانی ریلوں میں مخلوط و جذب ہو کر اپنے اصلی و روایتی خدوخال کھو بیٹھی ہیں۔ مختلف الاصل انسانی نسلوں کا جو ملغوبہ اب موجودہ پاک و ہند کی اقوام کی شکل و صورت میں ہمارے سامنے ہے' ان کے خدو خال' طرز تمدن' مذاہب و رسوم کو بنیاد بنا کر ان قدیم ترین سیاہ فام پاکستانیوں کو شناخت کرنا آسان نہیں رہا۔ البتہ نسبتاً زیادہ سیاہی مائل رنگت' چکنی جلد اور گھنگریالے بالوں والے موجودہ پاکستانیوں میں اب بھی ان اصلی و قدیم ترین پاکستانی اقوام کا اثر زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اور یوں ہم انہیں اقوام کو ان قدیم پاکستانیوں کے باقیات قرار دے سکتے ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کی بناوٹ ان قدیم ترین سیاہ فاموں سے اتنی ہی مختلف ہے جتنی کہ ایک خالص سیاہ فام حبشی کی اور ایک عام ہندی یا پاکستانی کی ہے۔

## قدیم ترین سیاہ فام پاکستانی

ہم سابقہ اوراق میں بیان کر آئے ہیں کہ قدیم ترین' پاکستانی سیاہ فام تھے اور اس نظریہ پر علما و ماہرین کا اجماع ثابت ہے۔ بہر کیف ہم اس نظریہ کے حق میں کچھ اثری اور تاریخی شہادتوں سے روشنی ڈالتے ہیں۔ علمائے آثار نے کھدائیوں کے دوران موجودہ پنجاب میں ہڑپہ اور سندھ میں موہنجوداڑو نام کے جو دو ماضی کے عظیم ترین شہر دریافت کئے ہیں' ان کے آثار سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں عظیم شہروں میں زیادہ تر سیاہ فام لوگ آباد تھے۔ خصوصاً پنجاب میں ہڑپہ کے قبرستان سے جو انسانی ڈھانچے نکلے ہیں ان میں سے اکثر کے متعلق علمائے بشریات کا کہنا ہے کہ کاکیشائی یا پروٹو

آسٹریلائڈ نسل کے لوگ تھے' جن کے سر لمبوترے اور قد پانچ فٹ آٹھ انچ کے قریب تھے۔ جبکہ کچھ ڈھانچے ان لوگوں کے بھی نکلے ہیں جن کا نسلی تعلق قدیم ترین رومیوں سے تھا اور جنہیں ہند یوروپی نسل بھی کہا جاتا ہے۔ اسی نسل کے لوگ اب بھی لائبیریا (مغربی افریقہ) میں آباد ہیں۔ دوسری طرف سندھ میں موہنجوداڑو کی کھدائیوں کے دوران اگرچہ وہاں کے قدیم باسیوں کا باقاعدہ قبرستان تو تاحال دریافت نہیں ہوا تاہم وہاں سے سیاہ فام حبشی وش ڈانسنگ گرل (DANCING GIRL) اور ایک مذہبی پروہت کے جو مجسمے ملے ہیں وہ ہمیں یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہیں کہ موہنجوداڑوں کی تہذیب بھی سیاہ فاموں پر ہی مشمل تھی۔ بہر کیف موہنجوداڑو سے کچھ متفرق انسانی ڈھانچے ملے ہیں اور ان ڈھانچوں کے مطالعہ سے بھی ماہرین نے یہی نظریہ اخذ کیا ہے کہ ان لوگوں کا نسلی تعلق بھی پروٹو اسٹریلائڈ سے تھا' جبکہ ان میں کچھ لوگ قدیم رومی یا ہند یورپی نسل کے بھی تھے۔ گویا ہڑپہ اور موہنجوداڑو میں زیادہ تر دو نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ غالباً اکثریت اسٹریلائڈ نسل کے سیاہ فاموں کی تھی جبکہ دوسرے نمبر پر رومی نسل کے ہند یوروپی لوگ آباد تھے' جنہیں خضری یا کیپٹن بھی کہا جاتا ہے۔

نہ صرف بے شمار تاریخی شہادتیں بھی اسی بات کی نشاندھی کرتی ہیں کہ خصوصاً قدیم سندھی لوگ سیاہ فام تھے بلکہ خطہ سندھ میں یہ لوگ ماضی قریب تک آباد رہے ہیں۔ تقریباً تمام عرب اور ہندوستان کے مسلم مورخین اس نظریہ پر متفق ہیں کہ سندھ کے لوگ حضرت نوحؑ کے بیٹے حام بن نوح کی اولاد تھے۔ حضرت حام بن نوح سیاہ فام انسانوں کے جد امجد مانے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلم مورخین کے مطابق جناب حام بن نوح کے دو بیٹے تھے جن میں سے بڑے کا نام ہند تھا جبکہ چھوٹے کا نام سندھ تھا۔ انہیں دو کی اولادیں ہندو سندھ میں آباد ہوئیں۔ اسی طرح طبقات ابن سعد میں حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ' حضرت علیؓ کی ایک زوجہ محترمہ (جو حضرت محمد الحنفیہ بن علی المرتضیٰؓ کی والدہ تھیں) کے متعلق روایت کرتی ہیں:۔

> "میں نے محمد الحنفیہؒ کی والدہ کو دیکھا کہ وہ کالے رنگ کی سندھی خاتون تھیں"

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر کی اس بیان کردہ روایت سے بھی ہمیں یہی پتہ چل رہا ہے کہ

اوائل اسلام کے دور بھی سندھ کی اقوام سیاہ فام تھیں۔ اسی طرح ایک اور روایت ہمیں ایک کتاب کے حوالے سے ملتی ہے جسے ۲۳۱ھ کے لگ بھگ ابی عبید عبداللہ بن عبدالعزیز نے تصنیف کیا تھا۔ مصنف نے کتاب میں ایک شعر درج کیا ہے جس میں سندھ کے مشہور و قدیم شہر دیبل کا ذکر ہے اور اس شعر میں شاعر نے دیبل کے آدمیوں کو شراب کے مٹکے کے اودے پن سی تشبیہ دی ہے' جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۳۱ھ تک دیبل (سندھ) کے لوگ سیاہ فام تھے۔ شعر حسب ذیل ہے:۔

کان ذراعہ المشکول منہ

سلیب من رجال الدیبلان

کتاب کے مصنف نے بھی اس امر کی وضاحت کی ہے کہ یہ شعر ایک مٹکے کی تعریف میں ہے اور مشکول بمعنی مشدود' اور دیبلان سے مراد دیبل کے کالے آدمی ہیں۔

الغرض ہمیں اس قسم کی بے شمار تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ قدیم سندھ (جس میں موجودہ پنجاب' سرحد اور بلوچستان کا بھی اکثر علاقہ شامل تھا) کے لوگ سیاہ فام تھے۔ ادھر بلوچستان میں کھدائیوں کے دوران متعدد مقامات سے ایسے مجسمے ملے ہیں جن کے خدوخال یہاں کے قدیم سیاہ فام لوگوں کے نمائندہ کہے جاسکتے ہیں۔ رنگ سیاہ' ہونٹ موٹے ناک کے نتھنے چوڑے' آنکھیں باہر کی طرف ابھری ہوئیں اور پیشانیاں باہر کی طرف نکلی ہوئیں۔ اور اس نظریہ کا ہمارے پاس سب سے وزنی اور ناقابل تردید ثبوت ہندوؤں کی مقدس کتاب "وید" ہے جس میں جگہ جگہ یہاں کے قدیم سیاہ فاموں کا تذکرہ موجود ہے مثلاً

(ا) وہ لوگ سندھ کے لوگوں کو "ادیوایو" کہتے ہیں جس کا مطلب ہے دیوتاؤں کو نہ ماننے والا۔ ظاہر ہے کہ قدیم سیاہ فام لوگوں میں مادری نظام حیات چلتا تھا لہٰذا وہ دیوتاؤں کے بجائے دیویوں یا ماؤں کی پوجا کرتے تھے۔

(ب) وہ لوگ قدیم سندھیوں کو "ششنا دیوا" بھی کہتے ہیں جس کا مطلب ہے "ناگ" یا ایک مفہوم کے مطابق "لنگ" کی پوجا کرنے والا۔ ظاہر ہے لنگ اور "ناگ" کی

پوجا بھی سیاہ فام ہندیوں میں مروج رہی ہے اور آج بھی ہندوستان کی سیاہ فام اقوام میں یہ عمل جاری ہے۔

(ج) علاوہ ازیں یہاں کے سیاہ فام سندھیوں کو آریاؤں نے "کرشنت واچ" یعنی کالے منہ والے بھی کہا ہے، جو بذات خود ایک گرانقدر تاریخی شہادت ہے کہ قدیم سندھی کالے ہی تھے۔

(د) ویدوں میں کئی جگہ پر قدیم ترین سیاہ فام ہندیوں کو بغیر ناک کے کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے سیاہ فام اقوام ہی کی ناک بیٹھی ہوئی اور نتھنے چوڑے ہوتے ہیں۔

(ح) کئی جگہ پر ویدوں میں یہاں کے سیاہ فاموں کو کالی رنگت یا کالی جلد والے بھی کہا گیا ہے۔

یاد رہے کہ آریاؤں نے اس خطے پر حملہ کم و بیش ۱۵۰۰ قبل مسیح میں کیا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۱۵۰۰ قبل مسیح سے بھی ہزاروں سال پہلے خصوصاً خطہ پنجاب و سندھ میں سیاہ فام اقوام آباد تھیں۔ اگرچہ یہ یقینی بات ہے کہ پنجاب کے اکثر سیاہ فام علاقوں پر تو آریاؤں نے قبضہ کرلیا تھا، جبکہ سندھ کے بے شمار علاقے بعد میں متواتر سیاہ فام اقوام کے قبضہ میں رہے۔ حتیٰ کہ عرب حملہ آوروں کے دور میں بھی سندھ کے کئی علاقوں کی اکثریتی آبادی یہی سیاہ فام تھے، جیسا کہ ہم تاریخی حوالوں سے ثابت کر آئے ہیں۔ اب ہم یہاں کے سیاہ فاموں کی اصل تاریخ کی طرف آتے ہیں اور پتہ لگاتے ہیں کہ یہ لوگ کب سے اس سرزمین میں آباد تھے؟ کہاں سے آتے اور کس دور میں آئے تھے؟ یہاں پر انہوں نے کس طرح تہذیب و تمدن کی بنیادیں استوار کیں؟ امتداد زمانہ کے ہاتھوں ان پر کیا گزری ان پر کن کن ذرائع سے آفات نازل ہوئیں؟ اور ان کے موجودہ باقیات کون سے لوگ ہیں؟۔

## کیا ہندوپاک کی سیاہ فام تہذیب باہر سے آئی تھیں؟

اس سوال پر کہ پاک و ہند کی سیاہ فام نسلیں کس دور میں اس خطہ میں داخل

ہوئیں، محققین میں کچھ اختلافات ہیں۔ پگٹ کا خیال ہے کہ

> "یہی لوگ نو دس ہزار سال قبل مسیح میں فلسطین میں آباد تھے اور بعد میں شمالی افریقہ اور ایشیا میں مختلف شکلوں میں یہی نسل ظاہر ہوئی"۔

یوری گنگو فسکی کا خیال ہے:۔

> "وسطی حجری دور میں یوریشائی لوگ جو شمال مغرب سے آئی ہوئی بنیادی نسل سے تعلق رکھتے تھے، تیزی سے نیگرو آسٹریلیائی گروہوں کے علاقے (موجودہ پاکستان) میں داخل ہوئے"

کئی ماہرین اس نظریے پر متفق نظر آتے ہیں کہ یہ قدیم سیاہ فام ہندی، سندھی یا پاکستانی نامعلوم دور میں بحیرہ کیسپئن (خضر) کے ساحل سے اٹھ کر اس خطہ میں آئے تھے۔ کئی ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لوگ بحیر کیسپن کے ساحل سے اٹھ کر پہلے پہل بابل میں آباد ہوئے تھے، جہاں انہوں نے قدیم ترین سومیری تہذیب کی بنیاد رکھی تھی اور اس کے بعد خطہ پاک و ہند میں داخل ہوئے تھے۔

ہمارے خیال میں قدیم ترین پاکستانی و ہندی سیاہ فاموں کے متعلق یہ کہنا کہ کسی اور خطہ سے اٹھ کر یہاں آئے تھے، درست نہیں لگتا۔ خطہ ارضی پر حیات کے ارتقاء کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زندگی (نباتات یا حیوانات کی صورت میں) کسی ایک مخصوص خطہ زمین پر ظہور پذیر نہیں ہوئی بلکہ حیات کی نمو بیک وقت زمین کے کئی پانیوں والے یا دلدلی علاقوں میں ہوئی۔ ظاہر کی آنکھ سے نظر آنے والی زندگی یا نموئے حیات کو ہم تین اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ جن میں سے ادنیٰ ترین قسم نباتات کی ہے، درمیانی قسم حیوانات کی جبکہ اصلح ترین و اعلیٰ قسم حیوانات ناطق یعنی انسانوں کی ہے۔ اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ سرزمین پاکستان میں پیدا ہونے والے موجودہ درخت و پودے دراصل بدیسی ہیں اور ہزاروں سال قبل کسی اور سرزمین سے لا کر یہاں اگائے گئے تھے، تو یہ بات مضحکہ خیز سی لگے گی، اور اسی طرح حیوانات کے متعلق بھی ہم ایسا نظریہ قائم نہیں کرسکتے۔ ظاہر ہے کہ آج سے لاکھوں یا کروڑوں سال

قبل نباتات یا حیوانات کی شکل میں زندگی کا ظہور کسی مخصوص خطہ زمین پر نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی نمو یا ان کا ظہور کروڑوں سالوں کی کھرب بدلیوں کے بعد بیک وقت زمین کے مختلف و زرخیز خطوں میں ہوا ہوگا۔ یہی حال انسان کا ہے۔ کوئی بھی بنیادی انسانی تہذیب (چاہے وہ وحشت کے جس درجے پر بھی فائز تھی) کسی مخصوص خطہ میں ارتقاء پذیر نہیں ہوئی۔ بلکہ انسانوں کے ابتدائی حجری دور کے اجداد نے خطہ ارض کے مختلف حصوں میں بیک وقت اور بین بین ارتقا کی منزلیں طے کیں۔ ہاں البتہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ان کی شکل و صورت یا جلد کی رنگت اس علاقے کے مرزبوم سے مطابقت رکھتی ہوگی جس علاقے سے یہ لوگ ظہور پذیر ہوئے تھے۔ سرد علاقوں کے لوگ سفید جلد میں نمودار ہوئے ہوں گے جبکہ گرم مرطوب خطوں سے جنم لینے والے انسانوں کی رنگت یا جلد یقیناً سیاہ ہوگی۔ اگرچہ ہم یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ آج سے لاکھوں سال پہلے جب ابتدائی حجری دور کے انسانی اجداد نے جنم لیا تھا' اس وقت پاک و ہند کے خطہ میں کس قسم کے موسم تھے؟۔ اس لئے کہ مختلف بزمانی ادوار میں مختلف علاقوں کے موسم بدلتے رہے ہیں۔ تاہم یہ بات ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم انسانی تمدن کے ابتدائی دور میں سرزمین پاک و ہند کا شمار دنیا کے گرم مرطوب خطوں میں ہوتا تھا' لہٰذا یہاں کی انسانی نسلوں کا رنگ بھی اسی مناسب سے سیاہ ہوگا۔ گویا پاکستان کی قدیم ترین سیاہ فام تہذیب کے متعلق غالب امکان یہی ہے کہ وہ کوئی بیرونی یا برامدی تہذیب نہ تھی بلکہ اس نے اسی سرزمین کی مٹی سے جنم لیا تھا۔ البتہ یہ عین ممکن ہے کہ بعد کے ادوار میں دنیا کی دیگر ہم عصر سیاہ فام تہذیبوں کے لوگ بھی آکر اس میں شامل ہوتے رہے ہوں گے اور جس دور میں پاکستان کی یہ سیاہ فام تہذیب اپنے عروج کو پہنچی ہوگی اس دور تک وہ مختلف سیاہ فام اقوام کی کئی قسموں کا ملغوبہ بن چکی ہوگی۔ خصوصاً ہڑپہ موہنجوداڑو کی دراوڑی تہذیب کے متعلق ماہرین کی یہی رائے ہے کہ اس میں زرد فام تورانیوں کا اثر بھی تھا۔ جو بھی ہو اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہڑپہ و موہنجوداڑو کی تہذیبوں کے اصل بانی سیاہ فام انسان ہی تھے' جیسا کہ لفظ "دراوڑ" کے مفہوم سے ظاہر ہے (جو سیاہ فام کے معنی دیتا ہے) اور اگر یہاں آریاؤں کے حملے سے پہلے کسی نامعلوم دور میں زرد فام تورانی آئے بھی

تھے تو وہ یہاں کے سیاہ فاموں میں جذب ہو کر ان کا تمدن اختیار کر چکے تھے۔ البتہ کچھ ایسے زرد فام قبائل بھی تھے جو مقامی سیاہ فاموں میں مخلوط ہونے سے زیادہ تر محفوظ رہے۔ تاہم ایسے زرد فام تورانی قبائل پنجاب کے صرف دیہی علاقوں میں رہتے تھے اور انہوں نے شہری تمدن اختیار نہیں کیا تھا۔ پنجاب کے نسبتاً" سیاہ فام جاٹ قبائل انہیں کے باقیات لگتے ہیں۔

کئی محققین کا یہ خیال بھی ہے کہ انسانی تہذیبوں کی ماں یعنی عراق کی سومیری تہذیب کی بنیادیں رکھنے والی سومیری قوم شکل و صورت میں سندھ و پنجاب کی دراوڑی قوم سے مشابہت رکھتی تھی۔ غالباً اسی وجہ سے ہڑپہ و موہنجوداڑو کی دراوڑی تہذیب کو پاکستان سے باہر کی اور خصوصاً سومیر کی تہذیب کا ایک حصہ سمجھ لیا گیا اور یہ فرض کرلیا گیا کہ پاکستان کی یہ قدیم تہذیب سومیر سے ہی آکر یہاں آباد ہوئی ہوگی۔ تاہم یہ قیاس اس لئے درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ کئی محققین کریٹ جیسی دورافتادہ' قدیم اور سیاہ فام تہذیب کو بھی دراوڑی تہذیب کا ہم نسل قرار دے چکے ہیں۔ حقیقت یہی نظر آتی ہے کہ عظیم سیاہ فام تہذیب کے عروج کے دور میں پاکستان و سومیر' مصر و فلسطین' کریٹ و یونان اور حبشہ و سوڈان کی تہذیبوں کے مابین تجارتی تعلقات موجود تھے۔ ان قوموں کے تجارتی قافلے خشکی کے راستے سے بھی اور سمندر کے راستے بھی تجارت کی غرض سے دور دراز ممالک تک رسائی رکھتے تھے اور ان کی یہ باہمی تجارت کا سلسلہ صدیوں اور قرنوں تک جاری و ساری رہا۔ ایسے میں ان سیاہ فام اقوام کا ایک دوسرے کے تمدن پر اثر انداز ہونا' ایک ملک سے اٹھ کر دوسرے ملک میں آباد ہونا' یا ایک دوسرے میں مخلوط ہونا' قرین قیاس لگتا ہے۔ کئی محققین قدیم سیاہ فام تہذیبوں کی مصری' سومیری اور پاکستانی (دراوڑی) اقوام کے رسم الخط میں مشابہت پا کر بھی یہ نظریہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ تمام تہذیبیں پہلے پہل کسی ایک ہی خطہ زمین (اغلب امکان بابل) میں آباد تھیں اور وہیں سے اٹھ کر ارد گرد کے ممالک میں پھیل گئی تھیں۔ لیکن یہ نظریہ بھی بہ ایں وجہ صائب نظر نہیں آتا کہ چونکہ ان اقوام کے مابین تجارتی تعلقات استوار تھے اور ظاہر ہے ان کے درمیان تبادلہ مال و جنس کے باہمی سودے بھی طے پاتے ہوں گے' لہٰذا صائب رائے یہی ہو سکتی ہے کہ ان اقوام کے

ابتدائی رسم الخط میں باہمی مشابہت ان کی تجارتی ضروریات کے پیش نظر پیدا ہوئی ہو گی۔ گویا محض اس وجہ سے کہ ان اقوام کے ابتدائی رسم الخط میں قدرے مشابہت ہے' انہیں ایک ہی خطہ کی قوم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اس دور کی تمام اقوام کے تجارت پیشہ لوگوں کی اپنی اپنی مہریں بھی تھیں اور یقیناً ان کے اپنے اپنے ٹریڈ مارک بھی ہوں گے۔ ایسے میں درآمد و برآمد کے ذریعے ان کی زبانوں کا ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا بھی قرین قیاس لگتا ہے۔ بہرصورت ہمارے خیال میں دراوڑی تہذیب کسی باہر کے ملک سے ہرگز نہیں آئی تھی بلکہ یہ اسی سرزمین کی پیداوار تھی۔ غالب امکان یہی ہے کہ دراوڑی تہذیب قدیم ترین بلوچی تہذیب کی ایک ترقی یافتہ شکل تھی۔ بلوچستان کی کھدائیوں کے دوران نت نئی بستیاں دریافت ہو رہی ہیں اور علمائے آثار کو قدیم سے قدیم تر تہذیبوں کے گوناں گوں سراغ ملتے جارہے ہیں اور اگر ان کھدائیوں کا جدید سائنسی ذرائع سے اہتمام کیا جائے تو امید ہے کہ ہمیں اس بات کا واضح سراغ مل جائے گا کہ دراوڑی تہذیب یا پاک و ہند کی قدیم ترین سیاہ فام تہذیب اسی سرزمین کی آغوش میں ارتقاء کی منزلیں طے کرکے بام عروج تک پہنچی تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی انسانی تمدن و معاشرت کی بنیادیں زراعت و کھیتی باڑی کے فن کی مرہون منت ہیں۔ جب انسان نے فن زراعت میں دسترس حاصل کی تب وہ ایک جگہ ٹک کر بیٹھا اور اس نے آبادیاں بسانی شروع کیں۔ ابتدائی انسانی بستیاں صرف اور صرف ان جگہوں پر بسائی گئی تھیں جو دریاؤں کے زرخیز کناروں پر مشتمل تھیں۔ دریا ہر سال سیلاب کے ذریعے زرخیز مٹی لاتے تھے اور اپنے اطراف و اکناف کی زمینوں پر اسے بکھیر جاتے تھے' جس کے نتیجے میں وہ زمینیں کھیتی باڑی کے لئے آئیڈیل بن جاتی تھیں۔ چنانچہ پہلے پہل انسان نے جب زراعت و کھیتی باڑی کی دنیا میں قدم رکھا تو اس نے اپنی آبادکاری کے لئے ایسی ہی زرخیز زمینوں کا انتخاب کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی انسانی تہذیبیں و معاشرتیں چاہے وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں پروان چڑھی ہوں' وہاں کے دریاؤں کا عطیہ تھیں۔ بابل' نینویٰ اور سومیر وغیرہ کی تہذیبیں دجلہ و فرات کا عطیہ تھیں تو مصر و سوڈان کی تہذیبیں نیل کا عطیہ تھیں۔ اسی طرح قدیم دراوڑی تہذیب کے متعلق بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ عظیم

دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کا عطیہ تھی۔ بلکہ سرزمین پاکستان خصوصاً اس لحاظ سے قدیم ترین دور کی حسین ترین سرزمین تھی کہ اسے بیک وقت سات دریا سیراب کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اسے "سپت سندھوا" یعنی سات دریاؤں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔ ایسے میں ہم یہ نظریہ کس طرح قائم کرسکتے ہیں کہ تمدن انسانی کے ضمن میں یہ سرزمین بذات خود بانجھ تھی اور یہاں کی قدیم ترین تہذیبیں بدیسی سرزمین میں بسنے والی تہذیبوں کا عطیہ تھیں۔ حق یہ ہے کہ دور قدیم میں ہماری یہ البیلی سرزمین اس قدر زرخیز بلکہ جنت نظیر تھی کہ دجلہ' فرات اور نیل کی تہذیبیں اس کے سامنے پانی بھرتی نظر آتی تھیں۔ حاصل بحث یہ رہا کہ ہندو پاک کی قدیم ترین سیاہ فام تہذیب نے یہیں کی مٹی سے جنم لیا تھا اور چونکہ اس دور میں ساحلی' میدانی و جنگلی علاقوں تمام تہذیبیں سیاہ فام تھیں لہٰذا کچھ عجب نہیں کہ بعد میں دیگر سیاہ فام تہذیبوں کے ریلے بھی دوسرے ممالک سے اٹھ اٹھ کر یہاں آتے رہے ہوں اور یہاں کی تہذیب میں جذب ہوتے رہے ہوں۔

# دراوڑیوں کے تہذیبی خدوخال

ہم جب ہڑپہ و موہنجوداڑو کے آثار کا مطالعہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ہمیں قدیم ترین پاکستانی دراوڑی تہذیب کے خدوخال واضح و نمایاں نظر آتے ہیں۔ سب سے پہلی بات جو ماہرین و علماء کو حیران کئے دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ان تہذیبوں میں کسی بھی صورت' کسی بادشاہت یا حکومت کے آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے باوجود یہ دونوں تہذیبیں خالصتاً" شہری تھیں' یعنی دیہاتی ہرگز نہیں تھیں۔ علما یہ سوچ کر حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں کہ بغیر کسی حکومت کے یہ دونوں عظیم شہر اس قدر منظم کیونکر تھے؟۔ مکانات ایک باقاعدہ نقشہ کے تحت تعمیر کئے جاتے تھے۔ گلیوں اور بازاروں کی چوڑائی میں سرموفرق نہیں ہے اور ہر قسم کی تجاوزات سے پاک ہیں۔ یوں لگتا ہے۔ کہ جیسے ان شہروں کی ایک باقاعدہ میونسپلٹی تھی جو بے حد مقتدر تھی۔ یا پھر شہری اس قدر و مہذب اور سلجھے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کے حقوق کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ جو بھی تھا یہ یقینی بات ہے کہ یہ شہر کسی مرکزی حکومت یا بادشاہت کے زیر اثر ہرگز نہیں تھے۔ یہاں نہ تو کسی بادشاہ یا حکمران کے محلات دریافت ہوئے ہیں' نہ انکے مقبرے ملے ہیں اور نہ ہی ایسے فوجی ہتھیار ملے ہیں جو بادشاہت یا حکمرانی کا خاصہ ہوا کرتے ہیں۔ خصوصاً ہتھیار اس قدر کم تعداد میں ملے ہیں کہ انہیں دیکھ کر اس بات کا گمان تک نہیں ہوتا کہ ان شہروں کی محافظت کے لئے کوئی باقاعدہ فوج ہوتی ہوگی۔ ہاں البتہ شہروں کے اردگرد فصیلیں ضرور تھیں جن کے آثار واضح نظر آتے ہیں۔ ان دونوں شہروں کی بنیادی خصوصیات غلے کے گودام اور انہیں صاف کرنے کے پنڈال ہیں' جس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ان شہروں کی باقاعدہ ایک انتظامیہ تھی جو کسانوں سے ٹیکس کے طور پر غلہ لیتی تھی اور اسے صاف کئے بغیر سٹور کردیتی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ غلہ ٹیکس کے طور پر کسانوں سے نہیں لیا جاتا ہوگا بلکہ تمام کسان گندم کاٹ کر شہر کے قریب بنے ہوئے گوداموں میں سٹور کردیتے ہوں گے اور بعد میں اپنی اپنی ضروریات کے مطابق ان کی خواتین گندم کے پودوں کے گٹھے پنڈال میں لے جا کر صاف کرلیتی ہوں گی۔ بہرکیف یہ ممکن ہے کہ کسان غلہ سٹور کرنے کے

لئے انتظامیہ کو اس کا کرایہ ادا کرتے ہوں' جیسا کہ موجودہ دور میں کولڈ سٹوریج میں سبزیاں و پھل رکھنے کا کرایہ داری سسٹم رائج ہے۔ ماضی قریب تک ہمارے دیہاتوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ہر گاؤں میں ایک پنڈال ہوا کرتا تھا جہاں غلہ پیسنے کے لئے پتھر کی چکیاں' روٹیاں بنانے کے لئے اجتماعی تنور اور سوت کاتنے کے لئے چرخے رکھے ہوتے تھے۔ گاؤں بھر کی خواتین وہاں جمع ہو کر اپنی اپنی ضروریات کے مطابق نہ صرف غلہ پیس لیتی تھیں بلکہ چرخہ بھی کاتتی تھیں۔ خصوصاً غلہ پیس لینے کے بعد خواتین گندم و اناج کا تھوڑا سا حصہ رضاکارانہ طور پر اس پنڈال میں جمع کروا دیتی تھیں تاکہ پنڈال کا نگہبان اسے اپنی ضروریات کے لئے استعمال کر سکے یا اپنے بچوں کی کفالت کر سکے۔ گاؤں کے یہی پنڈال دن کے وقت خوتین کے زیر استعمال رہتے تھے اور شام کے وقت مردوں کے لئے حجروں کا کام دیتے تھے' جہاں گاؤں بھر کے حضرات اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر گپ شپ کے لئے جمع ہوتے تھے۔ گانے بجانے کی محفلیں سجتی تھیں اور خوب دھماچوکڑی ہوتی تھی۔ آج بھی خصوصاً دور افتادہ دیہاتوں میں ماضی کی ان تہذیبوں کی جھلک واضح دیکھی جاسکتی ہے۔ جہاں دن بھر کے تھکے ہارے کسان جمع ہو کر ہیر وارث شاہ' سیف الملوک یا دیگر لوک گیتوں کی تانیں اڑاتے ہیں۔ ہمارے دیہاتوں کے اس طرز تمدن کو کنٹرول کرنے کے لئے قطعاً کسی انتظامیہ کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اس قسم کے اجتماعی کام باہمی افہام تفہیم سے ہی تکمیل پاتے ہیں۔ غالباً یہی حالت ہڑپہ و موہنجوداڑو کے شہروں کی ہوگی۔

ہڑپہ و موہنجوداڑو کے ان قدیم سیاہ فام دراوڑیوں کی نفاست طبع' اعلیٰ تمدن اور مہذب ترین معاشرت کے کئی نظارے ہمیں ان شہروں کے کھنڈرات کے مطالعہ سے ملتے ہیں۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے باقاعدہ شہر سے باہر جگہیں مخصوص تھیں۔ گویا وہ لوگ اپنے ان شہروں کی صفائی کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ ہر شہر میں سوئمنگ پول تھے جنہیں مقدس تالابوں کا نام دیا جاتا ہے۔ خصوصاً حمام اور غسلخانوں کے آثار اس کثرت سے ملتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنی جسمانی صفائی جان سے بھی بڑھ کر عزیز تھی۔ کشادہ سڑکیں اور کھلی گلیاں جن کے دونوں طرف سیوریج کے لئے ڈھانپی ہوئی پختہ نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور یہ تمام نالیاں ایک

بڑے پائپ میں آکر ملتی ہیں جسے پکی اینٹوں کے ذریعے بڑے ماہرانہ انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ حوض (گٹر) بنے ہیں جن میں شہر بھر کا گندہ پانی جمع ہوتا تھا اور جسے شہر کے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ الغرض سیوریج کی جو سہولتیں ہڑپہ و موہنجوداڑو کے ان ہزاروں سال پرانے شہروں میں موجود تھیں' آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی وطن عزیز کے کم و بیش اسی فی صد لوگ ان سہولتوں سے محروم ہیں۔

ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں شہر بے حد گنجان آباد ہوں گے اور اپنے دور کے دنیا بھر میں خوبصورت ترین شہر رہے ہوں گے۔ ان کے اکثر مکانات دو منزلہ رہے ہوں گے جن کے ساتھ صحنوں کے آثار بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ مکانوں کی بالائی منزلوں تک بھی نلوں کے ذریعے پانی پہچانے کا اہتمام تھا۔ غسل خانے و ٹائیلٹ جدید طرز کے تھے' فلش سسٹم موجود تھا۔ عموماً گھروں کے صحنوں میں کنویں تھے۔ دریا نزدیک ہونے کی وجہ سے پانی کے حصول کے لئے کوئی زیادہ گہرے کنویں کھودنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہوگی۔ کمروں کے ساتھ ملحقہ غسلخانوں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ تمام کمروں کی کھڑکیاں عموماً اندر کی طرف کھلتی تھیں۔ خصوصاً موہنجوداڑو میں ایک ۹۰ فٹ لمبا ہال بھی دریافت ہوا ہے جس کی چھت بیس بڑے ستونوں پر استوار تھی۔ ان ستونوں کی چار قطاریں ہیں اور ہر قطار میں پانچ پانچ ستون ہیں۔ سب سے عجیب چیز موہنجوداڑو کا مقدس حمام ہے۔ غالباً شہر کا یہ اجتماعی حمام رہا ہوگا' جہاں لوگ اشنان کرنے کے لئے آتے ہوں گے۔ اشنان یا مقدس غسل کرنے کی روایت آریائی نہیں لگتی بلکہ گمان غالب ہے کہ یہ روایت آریاؤں نے بعد میں دراوڑوں سے اپنائی۔ اس مقدس یا بڑے حمام یا حوض کی لمبائی ۳۹ فٹ جبکہ چوڑائی ۲۳ فٹ ہے اور اس مستطیل حمام کے ارد گرد چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ یقیناً برامدوں کے پیچھے کمرے ہوں گے۔ اس حمام میں پانی کسی قریبی کنویں سے بھرا جاتا ہوگا اور اسے صاف بھی رکھا جاتا ہوگا' اس لئے کہ حمام کے پیدے پانی کے نکاس کے لئے باقاعدہ ایک ساڑھے چھ فٹ اونچی نالی بنی ہوئی ہے۔ اینٹوں سے بنائی گئی اس نالی کی بیرونی چنائی اسقدر مضبوط ہے کہ اس میں قطعاً پانی جذب نہیں ہوتا ہوگا۔

وضع قطع اور لباس کے لحاظ سے قدیم دراوڑوی موجودہ سندھیوں سے ہی مشابہہ ہوں گے۔ چہرے کی رنگت البتہ ان کی موجودہ سندھیوں کی نسبت گہری سیاہ ہوگی۔ خصوصاً پروہت یا مذہبی بادشاہ کا جو مجسمہ دریافت ہوا ہے وہ مکمل طور پر ایک سندھی چہرے سے مماثل ہے۔ وہی سندھی طرز کی چھوٹی داڑھی' اور مونچھیں' وہی سر سے گردن کی طرف مڑے ہوئے بال اور وہی جسم پر اوڑھی ہوئی پھولدار اجرک۔ حیرت ہے کہ اجرک اوڑھنے کا انداز بھی موجودہ سندھیوں جیسا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ دراوڑوی یا ہڑپہ اور موہنجوداڑو کا تمدن مٹ چکا ہے یا کسی بعد کی قوم نے اسے بالکل نیست و نابود کردیا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ ان شہروں کے اجڑنے کی بنیادی وجہ یہی رہی ہوگی کہ وہاں سے دریا کے رخ تبدیل کرنے یا موسموں کے بدل جانے سے وسائل زندگانی ناپید ہوگئے ہوں گے۔ ورنہ انکا تمدن کسی نہ کسی شکل میں آج بھی زندہ و پائندہ ہے۔ ہاں البتہ یہ بات ممکن ہے کہ آریاؤں نے موجودہ صوبہ پنجاب کی حد تک دراوڑی علاقوں پر قبضہ کرلیا ہو' تاہم موجودہ صوبہ سندھ کئی صدیوں تک ان کی دستبرد سے محفوظ رہا ہوگا۔ مذہبی پروت کے مجسمے پر اجرک دیکھ کر یہی خیال آتا ہے کہ اس قدیم ترین دور میں بھی سندھ کے لوگ کپڑے کی صنعت میں بے حد ترقی کرچکے تھے' اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ کپاس کی پیداوار ہی کے لئے تو یہ خطہ مشہور تھا جس کا تذکرہ قدیم یونانی مورخین نے بھی کیا ہے۔ ہڑپہ و موہنجوداڑو کے حضرات کے متعلق تو عمومی رائے یہی ہے کہ وہ لباس کے لئے ان سلا کپڑا ہی استعمال کرتے ہوں گے۔ عموماً ایک چادر کمر کے گرد لپیٹ کر اور دائیں بغل کے نیچے سے لاکر بائیں بغل پر رکھ لیتے ہوں گے۔ تاہم خواتین کے لباس کے متعلق کوئی واضح شہادت نہیں ملتی کہ کیسا ہوتا ہوگا۔ دراوڑں میں چونکہ مادری نظام حیات کا رواج تھا لہٰذا گمان اغلب ہے کہ خواتین کا لباس نیم عریاں قسم کا ہوتا ہوگا۔ خصوصاً چھاتیاں کھلی رکھتی ہوں گے۔ ایسا ہندوستان کی سیاہ فام اقوام میں ماضی قریب تک رواج رہا ہے جو غالبًا انگریز دور میں ختم ہوا تھا۔ ان لوگوں میں شرم و حیا یا عزت و غیرت کی موجودہ انسانی قدریں رائج نہ تھیں۔ ایک قسم کا فری سیکس معاشرہ تھا۔ ایسا ان تمام قوموں میں رواج رہا ہے جو مادری نظام حیات کی حامل تھیں۔ البتہ ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی خواتین زیورات پہننے کی بڑی شوقین تھیں'

جن کے بے شمار آثار ملے ہیں۔ ہاتھ' پاؤں' ناک' کان اور گلے کے تمام زیورات پہننے کا رواج تھا۔ بلکہ ہاتھوں اور گلے کے زیورات تو مرد بھی پہنتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ زیورات بنانے کی صنعت یہاں کافی ترقی کرچکی تھی اور ماہر سنار یہاں موجود تھے۔ دنیا کے تمام خطوں میں کھدائیوں کے دوران ماہرین آثار دھرتی ماتا (Mother Godess) کی مورتیں نکال چکے ہیں۔ جہاں جہاں بھی دیویوں کی پوجا کا رواج رہا ہے وہاں کے انسانی معاشروں میں مادری نظام حیات رائج تھا۔ دیوتاؤں کی پوجا کا رواج عموماً وہ سفید فام اقوام ان خطوں میں لے کر آئیں جو یقینی طور پر پہاڑی علاقوں کی پروردہ تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیوتاؤں کی پرستش کا رواج پہاڑی علاقوں سے میدانی علاقوں میں آیا۔ دیویوں کی پوجا کا فلسفہ بھی زراعت و کھیتی باڑی کے فن کا مرہون منت ہے۔ جب پہلے پہل انسان نے زراعت کھیتی باڑی کی جانب راغب ہوا اور اس نے ہر قسم کا غلہ اور اناج زمین کے بطن سے اگتے دیکھا تو اس نے زمین کو بھی عورت ذات کی طرح بچے جننے والی دھرتی ماتا کا نام دے ڈالا اور پھر اس دھرتی ماتا کی تصویریں بنا کر نہ صرف ان کی پوجا پاٹ شروع کردی گئی بلکہ زمین سے زیادہ سے زیادہ غلہ و اناج اور پھل و پھول حاصل کرنے کے لئے جادو و ٹونے کے طور پر دھرتی ماتا کی مورتیاں بنا کر کھیتوں میں دفن کی جانے لگیں۔

ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے لوگ غذائی لحاظ سے بے حد خوشحال تھے۔ دریاؤں سے وافر مقدار میں انہیں مچھلی مل جاتی تھی۔ ساحلی جنگلات ہرنوں' جنگلی بیلوں' سوروں دیگر جانوروں اور پرندوں سے بھرے ہوئے تھے اور ان کے شکار میں بھی انہیں کسی وقت کا سامنا نہیں ہوتا ہوگا۔ سب سے بڑی بات یہاں کی زرخیز زمین تھی جو غلہ و اناج' پھل پھول اور ساگ وپات کی شکل میں گویا سونا اگلتی تھیں۔ انہیں خصوصیات کی وجہ سے تو اس سرزمین کو دور قدیم میں سونے کی چڑیا کا نام دیا جاتا تھا۔ یہاں کی خصوصاً گندم اور کپاس کی فصلیں تو بے حد مشہور تھیں۔ کپاس کی فصل کی وجہ سے یہاں کپڑا سازی کی صنعت نے بھی کافی ترقی کی ہوگی خصوصاً سندھی اجرک دور حاضر کی طرح دور قدیم میں بھی مشہور رہی ہوگی۔ کپاس سے چرخہ کے ذریعے دھاگا بنانے کا کام یقیناً خواتین کرتی ہوں گی اور دھاگے کی اٹیاں بنا کر جولاہوں کو فروخت کر آتی ہوں گی' جو

انھیں اپنی کھڈیوں پر بن کر کپڑا تیار کرتے ہوں گے۔ ایسا اب بھی ہمارے کئی دیہی علاقوں میں ہوتا ہے رنگ سازوں کی اور کپڑوں پر ٹھپہ لگانے والوں کی دکانوں یا ابتدائی صنعتوں کے بھی سراغ ملے ہیں۔ ہڑپہ و موہنجوداڑو سے برآمد ہونے والی مہروں پر ہمیں کسی کسان کے ہل کی شکل نظر نہیں آتی' البتہ زمین نرم کرنے والے دندانے دار سہاگہ کی شکل جابجا نظر آتی ہے۔ دندانے دار سہاگے کی شکل یوں ہوتی ہے۔



یہ سہاگہ آج بھی ہمارے نسبتاً پسماندہ اور دور افتادہ دیہاتوں میں کسان استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس دور میں چونکہ پنجاب و سندھ کی ساحلی زمین بے حد زرخیز تھی' دریا ہر سال سیلاب کے موسم میں ان پر نرم اور زرخیز مٹی کی تہہ چڑھا جاتے تھے' جنکی وجہ سے شاید یہاں کے کسانوں کو باقاعدہ بیلوں کے ذریعے ہل چلانے کی ضرورت پیش نہ آتی ہو۔ ممکن ہے وہ فصل اگانے کے لئے کھیتوں میں بیج بکھیر دیتے ہوں اور پھر دو آدمی مل کر اس پر سہاگہ چلا دیتے ہوں جس سے بیج زمین کے اندر دب جاتے ہیں۔

ہڑپہ و موہنجوداڑو کے لوگ فن تجارت کے بے حد ماہر تھے اور ان کے دور دراز کے ممالک سے تجارتی رابطے استوار تھے۔ ان دراوڑی تاجروں کا مال دور دراز کے ممالک تک پہنچتا تھا' سومیر کے علاوہ' مصر و حبشہ تک کے علاقوں میں دراوڑیوں کے مال تجارت پہنچنے کے آثار و شواہد کا پتہ لگایا جاچکا ہے۔

شہری مکانات عموماً پکی اینٹوں سے تعمیر کئے جاتے تھے۔ اینٹیں پکانے کی بھٹیاں بھی دریافت ہوئی ہیں جو شہروں سے دور رہی ہوں گی۔ دراوڑی راج تعمیرات میں خاصے ماہر تھے۔ قسم قسم کے مصالحوں اور رنگدار بیل بوٹوں سے دیواروں کی تزئین و آرائش بھی کی جاتی تھی۔ دراوڑی شہروں میں باقاعدہ کرنسی کا رواج تھا اور سکے ڈھالے جاتے تھے۔ کمہار کے چاک پر برتن سازی کی صنعت کے بھی کافی آثار ملے ہیں۔ برتن سادہ بھی ملے ہیں اور بیل بوٹوں سے مزین بھی ہیں۔ مجسمہ سازی کا فن بھی یہاں عروج پر تھا۔ خصوصاً ناچتی ہوئی کالی لڑکی کا جو مجسمہ ملا ہے وہ بے حد خوبصورت

ہے، بلکہ اسے ایک شاہکار مجسمہ کہا جاسکتا ہے۔

دراوڑی لوگوں کے عقائد کے بارے میں واضح شہادتیں نہیں ملتیں۔ ان کی مہروں پر جگہ جگہ بیل یا بیل کے سینگوں کی تصویریں بنی نظر آتی ہیں جن سے یہ واضح تاثر ملتا ہے کہ وہ لوگ بیل یا گاؤ ماتا کے پجاری تھے۔ ممکن ہے ان میں پیپل کے درخت اور ناگ دیوتا کی پوجا کا بھی رواج ہو۔ کھیتوں سے مادر کائنات کی مورتیاں بھی ملی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس قدیم دور کی دیگر سیاہ فام اقوام کی طرح دراوڑی بھی مادر کائنات کی پوجا کرتے تھے۔ حیرت ہے کہ ان کی عبادت گاہوں کے واضح آثار نہیں ملے۔ بیل گاڑیوں کی شکل میں بچوں کے کھلونے دریافت ہوئے ہیں جن سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ لوگ باربرداری اور نقل و حمل کے لئے بیل گاڑی کا استعمال کرتے تھے۔ ان لوگوں کی موت کی رسمیں مختلف تھیں۔ کسی جگہ مردوں کو باقاعدہ دفن کرنے کے آثار ملے ہیں تو کہیں انہیں جلا کر ان کی ہڈیاں مٹی کی مٹکوں میں دفن کرنے کے آثار بھی دریافت ہوئے ہیں۔ لگتا ہے کہ ان دراوڑی سیاہ فاموں کی دو قسمیں یا دو بڑے قبیلے تھے جن میں سے ایک مردوں کو دفن کرتا تھا اور دوسرا اپنے مردوں کو جلا کر ان کی ہڈیاں اکھٹی کر کے کسی مٹکے میں رکھدیتا تھا اور وہ مٹکا دفن کردیا جاتا تھا۔ بہرکیف حیات بعد از موت پر یہ لوگ یقین رکھتے تھے۔

اگر یہ کہاجائے کہ پاکستان کے سیاہ فام دراوڑی فن موسیقی کے دنیا بھر میں پہلے بانی تھے، تو یہ بات قرین قیاس لگتی ہے۔ فن موسیقی دراصل فن زراعت کی رسموں کا ایک حصہ رہا ہے۔ ابتداء میں صرف فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے موسموں میں خصوصاً خواتین مل کر کورس کی شکل میں گیت گاتی تھیں۔ دراصل یہ گیت نہ تھے بلکہ افزائش فصل کے لئے دعائیں یا ٹوٹکے و بھجن وغیرہ ہوتے تھے جو ازاں بعد باقاعدہ تہواروں کی شکل اختیار کرگئے جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ آج بھی پیشہ موسیقی دنیا بھر میں زیادہ تر سیاہ فام اقوام کا خاصہ ہے۔ حق یہ ہے کہ اسی سیاہ فام قوم نے سب سے پہلے دنیائے انسانیت کو فن زراعت و کھیتی باڑی سے روشناس کرایا اور اسی نے موسیقی ایجاد کی۔ آج بھی ہمارے میلوں ٹھیلوں کی رونق سیاہ فام مسلیوں اور میراثیوں کے دم قدم سے ہے۔بلکہ ہماری شادی بیاہ کی رسومات زرعی تہواروں کی رسوم میلے

ٹھیلے یا ثقافتی پروگراموں کی جان یہی سیاہ فام لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ جسمانی کرتب دکھانا' رسی پر ناچنا' ڈھول و شہنائی بجانا' دیگر آلات موسیقی سے خوبصورت دھنیں نکالنا' صرف اور صرف اسی قوم کا خاصہ ہے اور یہی لوگ اس دراوڑی قوم کے وارث ہیں جس نے یہ فنون ایجاد کئے تھے۔ خصوصاً ہڑپائی دور میں ان سیاہ فاموں کے میلے ٹھیلے اور دیگر ثقافتی سرگرمیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہوں گی۔

## پاکستانی دراوڑی تہذیب کی جغرافیائی سرحدیں

پاکستان میں دروازی تہذیب کی جغرافیائی سرحدیں بے حد وسیع تھیں۔ یہ عظیم تہذیب لمبائی میں بحیرہ عرب کی ساحلوں سے لے کر کوہ شوالک کی دامن تک پھیلی ہوئی تھی جبکہ چوڑائی میں شمال و مغرب میں موجودہ ایرانی بلوچستان اور زاہدان سے لے کر جنوب اور جنوب مغرب میں کالی بنگن (راجستھان و بیکانیر) اور سورت کے ساحلوں تک وسیع تھی۔ اس سیاہ فام دروازی تہذیب کا مرکز ہڑپہ تھا۔ اس کا مشرقی علاقہ مشرقی پنجاب' ہریانہ' اتر پردیش کا مغربی علاقہ اور کالی بنگن تھا۔ اس کا شمالی علاقہ بذات خود ہڑپہ اور موجودہ مغربی پنجاب کا بیشتر علاقہ تھا' جس میں گنویری والا (بہاولپور) بھی شامل تھا' جہاں اس تہذیب کے اثرات دریافت ہوچکے ہیں۔ اس تہذیب کا جنوبی علاقہ موجودہ صوبہ سندھ کا بیشتر علاقہ تھا جس کا مرکز موہنجوداڑو تھا۔ اس کا جنوب مشرقی علاقہ بلوچستان پر مشتمل تھا جس کا مرکز کلی رہا ہوگا اور جسے قدیم دور میں گدروسیا کا نام دیا جاتا تھا۔ اس تہذیب کا جنوب مشرقی علاقہ گجرات و کاٹھیاواڑ کا علاقہ تھا جس کا مرکز لوتھل تھا۔

# سیاہ فام دراوڑیوں کی تاریخ

سیاہ فام دراوڑی پاکستانیوں کی تاریخ کے متعلق ہمیں قطعاً کوئی مواد نہیں ملتا۔ ماہرین دراوڑی تہذیب کے عروج کا زمانہ تین ہزار سال قبل مسیح سے پندرہ سو سال قبل مسیح تک کا مانتے ہیں۔ لیکن یہ ان سیاہ فاموں کے خالصتاً تمدن کا زمانہ ہے۔ یعنی ایسا دور جس میں وہ تمدنی اعتبار سے خاصی ترقی کر چکے تھے۔ بہر کیف ان کے دور وحشت کی تاریخ کے متعلق صرف اندازے و قیاس ہی قائم کئے جاسکتے ہیں۔ اور قیاسات کا ماخذ پنجاب و سندھ کے قدیم سیاہ فاموں کے عقائد سے متعلق ملنے والی بعض شہادتوں کے علاوہ آریاؤں کی مقدس کتابیں (وید اور مہابھارت) ہیں۔ بہر کیف ہم سیاہ فام دراوڑیوں کی تاریخ کا مہیا مواد کے مطابق اجمالی تذکرہ کریں گے۔

# پاکستانی سیاہ فاموں کی دور وحشت کی تاریخ

دراوڑ قوم کے قدیم ترین سنگی عہد کے اجداد کے مساکن ماہرین کی رائے میں ساحلی اور گھنے جنگلات ہوا کرتے تھے۔ سرگروہ یا قبیلے کی سردار عورت یا ماں ہوا کرتی تھی۔ شادی بیاہ یا نکاح کا باقاعدہ رواج نہ تھا۔ اولاد صرف اپنی ماں کی نسبت سے پہچانی جاتی تھی)۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں دیویوں کی پوجا کا رواج تھا۔ اس دور میں کسی دیوتا کا کوئی وجود نہ تھا۔ یوں لگتا ہے کہ دیوتاؤں کا تصور سفید فام یہاں لے کر آئے جو بہت بعد کے دور کی بات ہے۔ کالی یا کلی ماتا کی پرستش آج تک ہندوستان میں خصوصاً سیاہ فام قوم میں عام ہے۔ یہ دیوی اسی دور وحشت ہی کی یادگار ہے' جب اس خطہ میں صرف سیاہ فام اقوام رہتی تھیں۔ ان لوگوں کی گذر بسر پھل' پھول' جڑی بوٹیوں نباتات' اور ساگ پات کے علاوہ شکاری جانوروں اور پرندوں کے گوشت پر ہوتی تھی۔ ان کے ہتھیار پتھر و لکڑی کے بنے ہوئے نیزے و بھالے ہوا کرتے تھے۔ جانوروں کے سینگ بھی وہ نیزے یا ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ پہلے پہل شکار کی تلاش میں ان لوگوں نے غالباً ان وادیوں اور چراگاہوں کے اردگرد غاریں کھود کر گھر بنانے شروع کئے تھے جہاں شکاری جانور کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں غالباً زمین کی ملکیت کا ابتدائی تصور بھی اسی زمانے میں اجاگر ہوا اور زرخیز چراگاہوں کے قبضہ کے لئے ان میں ابتدائی قبائلی لڑائیاں بھی شروع ہوئیں۔ ان لڑائیوں کے لئے نیز جانوروں کے شکار کے لئے انہیں ہتھیاروں کی ضرورت پڑی تو لوہے کی دھات سے

ہتھیار بنانے کا فن ایجاد کرلیا۔ ضروف سازی کا ابتدائی فن بھی وہ جان چکے تھے۔ ہیروڈوٹس ان قدیم سیاہ فاموں کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"یہ لوگ دریاؤں کے کنارے دلدلوں میں رہتے تھے۔ ان کی گذر بسر کچی مچھلی کے کچے گوشت پر ہوتی تھی۔ ان کی کشتیاں سرکنڈے سے بنائے گئے ڈونگوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ وہ چھال کا لباس پہنتے تھے اور جب خاندان کا کوئی فرد بیمار پڑجاتا تو باقی لوگ اسے فوراً مار ڈالتے اور لاش کو ہڑپ کر جاتے تھے۔ اس طرح بڑھاپے کی عمر کو پہنچے والے آدمیوں کو بھی ذبح کر دیا جاتا تھا اور جوان لوگ ان کی لاشوں پر دعوت اڑاتے تھے"۔

## پاکستانی سیاہ فاموں کا وحشت سے تمدن کی طرف آنا

انسان وحشت سے تمدن کی طرف اس وقت آیا جب اس نے کھیتی باڑی کے فن سے آگاہی حاصل کی۔ اس کھیتی باڑی کے فن کو انسانی تاریخ میں سنگ میل کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اگر یہ فن انسانی زندگی میں متعارف نہ ہوا ہوتا تو انسان متواتر خانہ بدوش و وحشی رہتا اور بستیاں بنا کر تمدن کی طرف کبھی نہ آتا۔ زراعت کے فن نے بے خانماں و خانہ بدوش انسان کے پاؤں میں گویا تمدن کی زنجیریں ڈال دیں اور یہ زرخیز زمینوں پر مستقل طور پر آباد ہو کر کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہوگیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دریاؤں کے کنارے زرخیز زمیں انسانی بستیوں سے بھر گئیں۔ پاک و ہند کے قدیم ترین سیاہ فام باشندے کھیتی باڑی کی طرف کس دور میں مائل ہوئے؟ اس دور کا درست تعین کرنا بے حد مشکل ہے۔ اب تک کے دریافت شدہ آثار میں کلی گل محمد (بلوچستان) کے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ یہی پہلی زرعی بستی تھی جو سات سے دس ہزار سال پہلے موجود تھی۔ بہر کیف قدیم ترین ہندی لوگوں کے متعلق میگاس تھینز لکھتا ہے:۔

"قدیم ہندوستانی باشندے خانہ بدوش تھے اور سکاتھیوں (تورانیوں) کی مانند وہ زمین کو کاشت نہیں کرتے تھے بلکہ زمین کی خود رو جڑی بوٹیوں' درختوں کی چھال' جسے ہندوستانی "تلہ" کہتے ہیں یا ان جنگلی جانوروں (کے گوشت) پر گذارہ کرتے تھے جنہیں

وہ آسانی سے مار سکے تھے۔ وہ یونانیوں کی طرح اپنے آپ کو جانوروں کی کھالوں سے ڈھانپتے تھے۔ اس کے بعد ڈائیونی سس وہاں نمودار ہوا اور اس نے ہندوستانیوں کو زمین کاشت کرنا سکھایا۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے بیل کو ہل کے آگے جوتا۔ اور ہندوستان کے باشندوں کو زرعی عوامل کے بارے میں بتایا۔ اس نے انہیں لکڑیوں کا استعمال اور ناچ گانا سکھایا' جسے یونانی کی اساطیری ناچ کہتے ہیں"۔

تاہم میگاس تھینز نے غالباً ہندی سیاہ فاموں کے اس دور کا ذکر کیا ہے' جب یہ قوم تمدن کے ابتدائی درجے پر فائز تھی۔ بعد میں اس قوم نے تمدنی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی کرلی تھی۔ ہڑپہ و موہنجوداڑو تمدن کی بانی بھی یہی قوم تھی اس قوم کو آج کی تاریخ دراوڑی یا پروٹوڈراویڈین کا نام دیتی ہے۔ درواڑی قوم کے اصل اور ان کے خصائل کے متعلق موسیولی بان کا کہنا ہے:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم ڈراوید ملک ہند کے قدیم باشندوں اور ان اقوام زرد رنگ کے میل سے بنی ہیں جو برہم پتر کی طرف سے ہندوستان میں آئیں۔ پھر ان میں تورانیوں کا جو شمال و غرب سے آئے میل ہوگیا۔ غرض اس دوہرے میل کا نتیجہ اقوام دراویڈ ہیں۔ دراویڈوں کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ اولاً وہ جن میں اصلی باشندوں کا جز غالب ہے' ان کو پروٹو ڈراوید کہتے ہیں۔ ثانیاً وہ جو پروٹو ڈژاویڈ اور تورانی اقوام کے میل سے بنی ہیں۔ یہ خالص ڈراویڈ ہیں۔ عام طور پر کہا جاسکتا ہے کہ گوداوری کے جنوب کی کل اقوام دراویڈ ہیں۔ ان میں سے پروٹو ڈراویڈ نے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا فاتح اقوام کی چڑھائیوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی اور خالص رہیں"۔

اس لحاظ سے گویا ہڑپہ و موہنجوداڑو کے تمدن کی بانی اقوام دراویڈ (دراوڑی) تھیں۔ تاہم جب آریاؤں کے حملہ کے بعد انہیں اپنے اصل مسکن چھوڑنے پڑے اور یہ ان علاقوں کی طرف بھاگ گئیں' جہاں وسائل زندگانی ناپید یا محدود تھے تو پھر سے ان کا تمدن روبہ زوال ہونا شروع ہوگیا اور صدیوں تک یہ دراوڑی اقوام وحشیانہ طرز کی

زندگی گذارتی رہیں۔

## ڈائیونی سس ۔ پاکستان کا پہلا سیاہ فام بادشاہ

ڈائیونی سس کو ہم پاکستان سیاہ فاموں کا پہلا بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ میگاس تھینز کی تحریر سے یوں لگتا ہے کہ اس بادشاہ نے زراعت کو بے حد ترقی دی تھی اور اپنے علاقے کی بے کاشت اور جنگلات پر مشتمل زمینوں کو قابل کاشت بنایا تھا۔ اس ڈائیونی سس کے متعلق میگاس تھینز مزید لکھتا ہے:۔

> "اس نے (اپنے عوام کو) جھانجھ اور نوبت کے ساتھ دیوتاؤں کی پرستش کرنا بھی سکھایا' جن کا استعمال انہوں نے سکندر کے زمانہ تک جاری رکھا۔ ابھی تک بگل ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ اس (ڈائیونی سس) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی فوج میں عورتوں کی ایک بہت بڑی فوج رکھی ہوئی تھی۔

اگرچہ ڈائیونی سس بظاہر ایک افسانوی کردار لگتا ہے تاہم ہمارے خیال میں ڈائیونی سس دو آبہ جہلم و سندھ کے درمیانی علاقے کا بادشاہ تھا۔ اس علاقے کو سندھ ساگر دو آبہ کا نام بھی دیا جاتا ہے اور یہ علاقہ اٹک' راولپنڈی' جہلم' چکوال' خوشاب اور میانوالی کے موجودہ اضلاع پر مشتمل ہے جس میں کوہستان نمک کا سلسلہ بھی شامل ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید ہندوؤں کے ویدوں سے یوں لاتی ہے جہاں اس علاقے کے (آریاؤں کے حملے کے دور) بادشاہ کا نام نموچی لکھا ہے اور اس کی فوج کو بھی عورتوں پر مشتمل کہا گیا ہے۔ ڈائیونی سس کو ہم پیشہ کاشتکاری کے موجد کی حیثیت سے جاٹ بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ ہم اس کا تذکرہ جاٹوں کی تاریخ میں بھی کر آئے ہیں تاہم وسیع تر مفہوم میں ہم جاٹوں کو دو اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں یعنی سیاہ فام جاٹ جو قدیم دراوڑی یا پروٹوڈراویڈی تھے اور زرد فام تورانیوں اور ہند کی قدیم ترین سیاہ فام اقوام کے اختلاط سے وجود پذیر ہوئے تھے' اور خالصتاً سیتھین جاٹ جو ۹۵۰ قبل مسیح سے لے کر سن عیسوی کے اجراء تک مختلف حملہ آوروں کی صورت میں اس خطہ میں داخل ہوتے رہے۔

## نموچی ۔ آریاؤں کے دور کا سیاہ فام کا بادشاہ

ویدوں میں ایک جگہ آریاؤں کے جرنیل یا دیوتا اندر کو "کویو" سے لڑتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ "کویو" کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دو دریاؤں کا آقا تھا۔ دو دریاؤں سے لا محالہ دریائے جہلم و سندھ ہی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ کوسامبی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ "کویو" سی مراد بادشاہ نموچی ہی ہے۔ رگ وید میں تحریر ہے کہ جب اندر نے نموچی یا "کویو" کی عورتوں پر مشتمل فوج کو دیکھا تو تو اسے بے اختیار ہنسی آگئی۔ لیکن جب لڑائی شروع ہوئی تو اندر کا برقی گرز بھی ان سیاہ فام خواتین کو شکست نہ دے سکا۔ تب اندر نے مکرو مایا سے کام لیا اور صلح کے بہانے ان کے بادشاہ نموچی کو قتل کردیا۔ یہ لڑائی یقیناً دریائے جہلم کے قرب و جوار میں ہی لڑی گئی ہوگی۔ نموچی کے قتل ہونے کے بعد اس کی رعایا پر کیا بیتی؟۔ اس بارے میں ہمیں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

## ضحاک ۔ سیاہ فاموں کا شہرہ آفاق بادشاہ

ضحاک کا تذکرہ ایرانی بادشاہوں کی اساطیری کہانیوں میں ملتا ہے اگرچہ تاریخ کے صفحات سے عمومی اندازہ یہی ہوتا ہے کہ اس کا تعلق ایران سے تھا' تاہم کچھ اشارے اس بات کے بھی ملتے ہیں کہ وہ غالباً ہندو پاک کا ہی سیاہ فام بادشاہ تھا۔ خصوصاً اس کے نام سے یہی لگتا ہے کہ وہ سیاہ فام تھا۔ ضحاک دراصل ژاک ہے جس کے معنی "پہاڑی گائے" کے ہیں۔ اساطیری کہانیاں یہ بھی بتاتی ہیں کہ اس کے دونوں کندھوں پر سانپ اگ آئے تھے جو اس کے رعایا پر ظلم و ستم کا نتیجہ تھا۔ ناگ کی پرستش چونکہ پاک و ہند کے سیاہ فام اقوام میں عام رہی ہے لہٰذا قیاس غالب ہے کہ ضحاک سیاہ فام قوم سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ خصوصاً جب ایران کے بادشاہ افریدون نے کاوی لوہار کی سرکردگی میں ایران پر قبضہ کیا تو کہانی کے مطابق اس وقت ضحاک ایران سے ہندوستان کی جانب کسی مہم کے سلسلہ میں گیا ہوا تھا۔ یہ روایت اسی جانب اشارہ کررہی ہے کہ اس کا تعلق اسی سرزمین پاکستان سے تھا اور اس نے یہیں سے آگے بڑھ کر ایران کی سلطنت کو زیر کیا تھا۔ ضحاک کے دو بیٹوں کے نام "سلم" اور "طور" بتائے جاتے ہیں جو ضحاک کی شکست کے بعد غور کے پہاڑوں کی طرف بھاگ آئے تھے۔ "سلم" کا مطلب سفید یا گورا ہے جبکہ "طور" کا مطلب "سیاہ" یا کالا ہے۔ یہ دونوں نام اسی بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ضحاک کا تعلق دو نسل کے انسانوں یعنی سیاہ فام ور زرد فاموں سے تھا۔ اس کا نام "ژاک" (YAK) اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ مقدس گائے کا پجاری تھا اور اس کا نسلی تعلق زرد فام اقوام سے تھا' جبکہ

اس کے کندھوں پر سانپوں کی علامت اسے قدیم ہندی یا سندھی الاصل سیاہ فام ظاہر کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے دو بیٹے سلم (گورا) اور طور (کلا) بھی یہی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ضحاک نسل کے اعتبار سیاگرچہ زرد فام ہی تھا' لیکن اس کی رعایا میں سندھی و ہندی سیاہ فاموں کی اکثریت تھی۔ اور اس کی عملداری موجودہ سیستان افغانستان' مکران اور بلوچستان کے علاقوں پر تھی۔

## سری کرشن

قدیم ہندوستان میں پانی پت کے میدان (کورو کشیتر) میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی دراصل یہاں کے کشتریوں آریائی اور حملہ آور ساکاؤں کے درمیان لڑی گئی تھی۔ آریائی اقوام یہاں پندرہ سو سال قبل مسیح میں آئی تھیں جبکہ ساکا قبائل ۹۵۰ سال قبل مسیح میں حملہ آور کی حیثیت سے پنجاب میں داخل ہوئے تھے۔ آریائی اقوام ساکاؤں کے پنجاب میں داخل ہونے سے پہلے پنجاب کے سیاہ فام دراوڑیوں کو زیر کرکے ان کے بیشتر علاقوں پر قبضہ جما چکی تھیں۔ سیاہ فام دراوڑی شکست کھانے کے بعد یا تو سندھ و بلوچستان کی طرف بھاگ گئے تھے اور یا قید کرکے غلام بنا لئے گئے تھے۔ بہرکیف یہ یقینی بات ہے کہ جب ساکاؤں نے پنجاب پر حملہ کیا تو اس وقت سیاہ فام دراوڑ قبائل موجودہ سندھ اور بلوچستان کے علاوہ بحیرہ عرب کے کنارے کافی تعداد میں تقریباً آزاد و خود مختار زندگی بسر کررہے تھے۔ موجودہ تربت سے لے کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مالا بار گھاٹ تک کا وسیع و عریض علاقہ ان کے پاس تھا۔ جزیرہ سری لنکا تک یہی لوگ قابض تھے' جہاں آج بھی انہیں کے باقیات موجود ہیں جبکہ موجودہ بنگال کا زیادہ تر حصہ بھی انہیں کے قبضہ قدرت میں تھا۔ میدانی و پہاڑی علاقوں میں موجودہ بلوچستان' و صوبہ سندھ کے علاوہ ہندوستان میں بدین' احمد آباد' احمد نگر اور بیجا پور کے علاقوں پر بھی سیاہ فاموں کا قبضہ تھا۔ آریائی قبضہ صرف پنجاب کی حدوں تک محدود تھا۔ ۹۵۰ سال قبل مسیح کے ساکا حملہ آور نسلی اعتبار سے زرد فام سیتھین تھے۔ تاہم وہ ۹۵۰ سال قبل مسیح تک آریاؤں کے ساتھ کافی حد تک مخلوط ہو چکے تھے اور جب خطہ پنجاب میں داخل ہوئے تو ان کا تمدن یہاں کے آریاؤں سے ملتا جلتا تھا۔ بہرکیف جب ساکا پنجاب میں داخل ہوئے تو اس وقت پنجاب کا علاقہ مکمل طور پر آریاؤں کے قبضہ قدرت میں تھا۔ یہاں کے آریاؤں نے پنجاب کا علاقہ قدیم سیاہ فام دراوڑیوں سے فتح کرنے کے بعد ان کے اور اپنے درمیان ذات پات' حقارت اور نفرت

کی دیواریں کھڑی کردی تھیں لہٰذا اس دور میں موجودہ بلوچستان و سندھ اورہندوستان میں خلیج کھمبائت تک آباد سیاہ فام دراوڑیوں نے آریاؤں کے مقابلے میں ساکاؤں کا ساتھ دیا اور ساکاؤں نے خطہ پنجاب کے آریائی کھشتری حکمرانوں کا یہاں سے قلع قمع کردیا' دوسرے لفظوں میں کوروں اور پانڈوؤں کے درمیان جنگ میں پانڈو قبائل ساکاؤں پر مشتمل تھے جن کے باقیات آج بھی پنجاب میں اگنی کل راجپوتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اور اس موضوع پر ہم نے نہ صرف اپنی کتاب "راجپوت" میں اور دوسری کتاب "پنجاب کے جاٹوں کی تاریخ" میں بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔ کوروں اور پانڈوؤں کی جنگ میں گویا کوروؤں سے مراد آریائی کھتری ہیں جبکہ پانڈو ساکا قبائل تھے۔ آمدم برسرمطلب۔ اس جنگ میں سیاہ فام دراوڑیوں کے اس دور کے سردار سری کرشن نے آریائی کھتریوں کے مقابلے میں ساکاؤں کا ساتھ دیا تھا۔ مہابھارت کے اس قصہ میں اس امر کی تفصیل موجود ہے کہ کرشن جی کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کوروؤں نے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا' لیکن سری کرشن نے پانڈوؤں کا ساتھ دیا تھا اور پانڈوؤں کی فتح میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

سری کرشن چونکہ یہاں کے اگنی کل راجپوتوں کے بھی محسن تھے لہٰذا بعد میں سیاہ فام دراوڑیوں کے سنگ سنگ یہاں کے دیگر ہندی راجپوتوں میں بھی بعد میں ان کی پرستش کا رواج شروع ہوگیا۔ تاہم قدیم ہندو کھتری ان سے چونکہ عناد رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے ان کی شخصیت کے متعلق منفی پروپیگنڈہ کیا۔ اس امر کی تائید فرشتہ کے اس بیان سے ہوتی ہے:۔

> بعض انہیں دنیا بھر کے تمام فریبیوں کا سردار اور سارے حیلہ گروں سے اعلیٰ مانتے ہیں' بعض ان کی پیغمبری کے قائل ہیں' بعض ان کو خدا کا اوتار سمجھ کر ان کی پرستش کرتے ہیں"

کرشن کا لفظ سنسکرت کے لفظ کرشت سے نکلا ہے۔ جس کے معنی سیاہ یا کالا کے ہیں۔ جیسا کہ ویدوں میں یہاں کے سیاہ فاموں کو کرشت واچ یعنی کالے منہ والے کہا گیا ہے۔ واچ کا مطلب منہ ہے۔ سرائیکی میں اب بھی "وات" منہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہاں "چ کو "ت" سے بدل دیا گیا ہے۔ سری کرشن چونکہ یہاں کے رہنے والے تھے لہٰذا وہ آریاؤں کے جنگی طریقہ کار سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے ساکاؤں کی نہ صرف عددی مدد کی ہوگی بلکہ انہیں مفید مشوروں سی بھی نوازا ہوگا۔ اگرچہ بعد میں ہندی برہمنوں نے فاتح ساکاؤں کو بھی "اگنی" سے گذار کر پوتر بنادیا تھا اور انہیں راجپوت

ذات میں شامل کرلیا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی ہندی برہمنوں کے ذات پات کے نظام کا بعد میں ایک حصہ بن گئے تھے اور انہوں نے بھی مکمل طور پر ہندی مذہب اختیار کرلیا تھا' تاہم کرشن جی کی پوجا ان کے کئی گروہ کرتے رہے اور یہ سلسلہ آج بھی ہندوستان میں جاری و ساری ہے۔

سری کرشن کے متعلق روایت ہے کہ وہ رانی گندھاری (کوروؤں کی ماں) کی بدعا سے ذلیل و خوار ہو کر مرے۔ لیکن حقیقت میں یہ محض پروپیگنڈہ لگتا ہے اور ذات پاک کے علمبردار ہندی برہمنوں کی ہرزہ سرائی ہے۔ کرشن کے متعلق رانی گندھاری کی بدعا کا مکمل قصہ ہم نے اپنی ایک اور کتاب "راجپوت" (تاریخ کے آئنے میں) میں نقل کیا ہے۔ بہرکیف فرشتہ کے بیان کے مطابق اہل ہند اس امر پر متفق ہیں کہ سری کرشن شہر متھرا میں پیدا ہوئے تھے۔

سری کرشن کی پیدائش' پرورش اور ان کے دیگر حالات زندگی پر دیومالائی کہانیوں کی دھند چھائی ہوئی ہے۔ بہرکیف ان کے مختصر حالات زندگی ہم تاریخ فرشتہ سے ہی نقل کررہے ہیں جو یوں ہیں:۔

> "متھرا کے والی راجہ کنس کو نجومیوں نے یہ بتایا کہ اس کی موت کرشن کے ہاتھوں واقع ہوگی۔ راجہ نے یہ سن کر حکم دیا کہ اس لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کردیا جائے۔ لیکن سری کرشن بچ گئے۔ پیدائش سے لے کر گیارہ سال کی عمر تک وہ نند نامی ایک شخص کے گھر پرورش پاتے رہے۔ آخر کار انہوں نے جادو کے ذریعے راجہ کنس کو قتل کیا اور اس کے باپ راجہ اوگرسین کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن اوگرسین کی حکومت برائے نام تھی' اصل اقتدار خود سری کرشن کے ہاتھوں میں تھا۔ سری کرشن کے جادوئی عملیات اور طلسمی شعبدوں کی وجہ سے لوگ ان کے خدا ہونے پر ایمان لائے۔ بعض لوگ اس باطل عقیدے میں گرفتار ہو کر ان کی پرستش کرنے لگے۔۔۔ سری کرشن نے اپنی زندگی کے ۳۲ سال بہت عیش و عشرت میں گذارے۔ جن کے متعلق بہت سے قصے آج تک مشہور ہیں۔ جب عیش و عشرت کے ۳۲ سال گذر گئے تو بہت سے راجاؤں نے سری کرشن کو تباہ کرنے کی تجویز سوچی۔ بہار و پٹنہ کے راجہ جراسنگھ نے ایک طرف سے متھرا پر

حملہ گیا' دوسری طرف سے ملیچھوں کے راجہ کالیون نے حملہ کردیا ـــــ بہرحال سری کرشن ان دونوں راجاؤں کے حملے کی تاب نہ لاسکے اور متھرا سے فرار ہو کر دوار کا گئے جو احمد آباد گجرات سے سوکروہ کے فاصلے پر ہے۔ دوارکا کے قلعے میں پناہ گزین ہوئے۔ سری کرشن نے ۸۷ سال دوارکا کے آس پاس کے علاقوں میں گزارے۔ اور ۲۵ سال کی عمر میں رانی گندھاری کی بدعا سے فوت ہوئے"۔

بہر طور کرشن جی سیاہ فاموں کے ایسے جلیل القدر سپوت تھے جن کی آج بھی ہند کے سیاہ فاموں کے ساتھ ساتھ آریاؤں میں بھی پرستش کی جاتی ہے۔ ان کے متعلق تمام تر منفی کہانیاں من گھڑت ہیں اور متعصب ہندوؤں کے ذہن کی اختراع ہیں۔ ظاہر ہے آج تک لوگ جس شخص کی عبادت کرتے ہیں وہ کوئی معمولی انسان ہرگز نہ تھا۔

## آریاؤں اور سیاہ فام دراوڑیوں کے معرکے

اس خطے میں آریاؤں کی آمد سے قبل سیاہ فام تہذیب کے کئی مراکز تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے

### نمبرا مشرقی پنجاب

اس علاقہ میں ہریانہ و مغربی اتر پردیش کا علاقہ شامل تھا۔ غالباً کالی بنگن کا علاقہ اس تہذیب کا مرکز ہوگا جہاں سے قدیم ترین سیاہ فام تہذیبوں کے آثار دریافت ہوچکے ہیں۔

### نمبر۲ مغربی پنجاب

اس میں موجودہ صوبہ پنجاب کا مکمل علاقہ شامل تھا اور اسکا مرکز ہری یوپیا (ہڑپہ) تھا۔

### نمبر۳ سندھ

اس میں کراچی سے لے کر رحیم یار خان تک کے قریب کا وہ علاقہ شامل تھا جسے ہم موجودہ صوبہ سندھ کا نام دیتے ہیں۔ اس تہذیب کا مرکز موہنجوداڑو تھا۔

## نمبر۴ بلوچستان

بلوچستان کو دور قدیم میں گدروسیہ کا نام دیا جاتا تھا جس کا مطلب بھی سیاہ فاموں کی سرزمین ہے۔ اس تہذیب کا مرکز کلی کا مقام رہا ہوگا۔

## نمبر۵ گجرات کا علاقہ

اس میں گجرات و کاٹھیا واڑ کے علاقے شامل تھے جن کا مرکز لوتھل کا مقام رہا ہوگا۔

آریاؤں نے یہاں کس دور میں حملہ کیا؟۔ اس مسئلہ پر ماہرین کی آراء مختلف ہیں۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ پنجاب پر آریائی حملہ ۱۵۰۰ سال قبل مسیح یا اس سے بھی کچھ صدیاں پہلے ہوا۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید کے مطالعہ سے ان لڑائیوں کا کچھ پتہ چلتا ہے جو آریائی حملہ آوروں اور یہاں کے مقامی سیاہ فاموں کے مابین لڑی گئیں۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آریائی حملہ آوروں نے بڑی آسانی سے یہاں کے سیاہ فام دراوڑیوں کو زیر کرلیا تھا۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ رگ وید چونکہ ہندی برہمنوں کے متعصب ذہنوں کا اختراع ہے لہٰذا اس میں یہاں کے سیاہ فاموں کو کمزور دکھایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ویدوں میں یہاں کے سیاہ فاموں کے مقابلے میں کی گئی مناجات یا ان کے مقابلے میں فتح کے لئے کی گئی دعاؤں کو پڑھ کر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آریاؤں کے یہاں کے مقامی سیاہ فاموں سے بڑے زور دار معرکے ہوئے ہوں گے۔ ان معرکوں کی کچھ تفصیل رگ وید میں ہمیں ملتی ہے۔ مثلاً دو دریاؤں کا آقا نموچی جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں کہ اس کی فوج خواتین پر مشتمل تھی، جسے آریاؤں کا جرنیل اندر شکست نہ دے سکا تھا۔ اسی طرح سیاہ فاموں کے ایک اور راجہ ورچن سے آریاؤں کی زبردست جنگ ہوئی جس میں ورچن اپنے ۵۰۰ ہمرائیوں کے ساتھ لڑتا ہوا کام آیا۔ ایک اور راجہ امبہ تھا جسے آریاؤں کے جرنیل

اندر نے شکست دیکر اس کے سات شہروں کو ویران کردیا تھا۔ ایک اور سیاہ فام راجہ راجس وان کو اندر نے "پچاس کالے دشمنوں سمیت ہلاک کیا اور اگنی کی مدد سے اندر نے دشمنوں نے نوے پور (شہر) تباہ کردیتے تھے۔ اسی طرح اندر نے راجہ سرت کو مار کر اس کے سات شہروں پر قبضہ کیا۔ آہاسیو کو قتل کرکے اس کے شہر لونی مار کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کے شہر پر پانی کا بند کھول دیا۔ کئی اور شہروں کو بھی اندر نے پانی چھوڑ کر غرقاب کیا۔ اندر نے واچی وت اسور (راجہ) کو راوی کے کنارے ہلاک کیا اور وراسیکھا (راجہ) کے بیٹے کو ہری یوپیا (ہڑپہ) کے کنارے مارا۔ اندر کے سب سے طاقتور سیاہ فام دشمن سمبرا اور ورتر تھے۔ سمبرہ سو شہروں کا راجہ تھا اور اس نے اپنے شہروں کے گرد پتھر کی چار دیواریاں (فصلیں) کھینچی ہوئی تھیں۔ وہ چالیس برس تک اندر سے لڑتا رہا اور بالاخر ایک غار میں چھپ گیا جہاں آریائی سورما اندر نے اسے قتل کردیا۔ ورتر سمبرا سے بھی زیادہ عرصہ تک اندر کا مقابلہ کرتا رہا۔ وہ 99 شہروں کا مالک تھا اور اس نے دو دریاؤں کو قید کررکھا تھا۔ ورتر کے متعلق رگ وید میں لکھا ہے کہ یہ "کالا کیا" راکھشوں میں سے تھا۔ چنانچہ جب اسے شکست ہوئی تو وہ ہرن کے روپ میں فرار ہوگیا۔ رگ وید میں اس قسم کی تمام داستانیں بلاشبہ مبالغہ آمیز ہیں جن میں اندر کی بے جا تعریف کی گئی ہے۔ تاہم ان داستانوں کو پڑھ کر بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ مقامی سیاہ فام آریائی حملہ آوروں کا بڑی دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ بہر کیف پنجاب کی حد تک آریاؤں نے سیاہ فام دراوڑیوں سے ان کے شہر اور علاقے چھین لئے تھے جبکہ موجودہ صوبہ سندھ میں سیاہ فاموں کا قبضہ دیر تک برقرار رہا۔ سندھ میں موہنجوداڑو غالباً ان کا آخری مرکز تھا۔ کہا جاتا ہے موہنجوداڑو بھی آریاؤں کے ہاتھوں فتح ہو کر تباہ ہوا لیکن ہمارے خیال میں موہنجوداڑو کے فاتح آریائی ہرگز نہ تھے بلکہ قرین قیاس یہی کہ یہ لوگ ساکا ہوں گے۔ وہی ساکا جن کی سیاہ فاموں نے آریاؤں کے مقابلے میں مدد کی تھی۔ بہرحال اس تفصیل سے قطع نظر یہ بات یقینی ہے کہ آریائی حملہ کے صدیوں بعد تک صوبہ سندھ سیاہ فام دراوڑوں کا مرکز بنا رہا اور آج بھی اس قوم کے باقیات وہاں اکثریت سے موجود ہیں۔ لگتا ہے کہ بعد کے مغربی دروں سے آنے والے حملہ آوروں سے دب دبا کر آریائی لوگ تو بتدریج گنگا و جمنا کی وادیوں کی جانب چلے گئے جبکہ سیتھین یا ساکا حملہ آور سیاہ فام دراوڑوں کے علاقوں کی طرف بڑھتے گئے اور سیاہ فام دراوڑ بتدریج سندھ سے مکران اور بحیرہ عرب کے ساحلی علاقوں کی طرف پسپا ہوتے گئے۔ اور یہ عمل کئی صدیوں تک جاری رہا۔ یعنی سندھ پر غیر سیاہ

فاموں کے قبضہ کا عمل بہت دیر بعد مکمل ہوا۔ سندھ پر غیر سیاہ فاموں کے قبضہ کے بعد سیاہ فام لوگوں نے زیادہ تر بحیرہ عرب کے کنارے کنارے تربت کے ساحلی علاقہ سے لے کر راس کماری تک کئی بستیاں بسا لی تھیں' اور چونکہ ان ساحلی علاقوں میں وسائل زندگانی محدود تھے لہذا انہوں نے بحری قذاقی کو بھی ایک عرصہ دراز تک پیشہ کی حیثیت سے اپنائے رکھا۔ کوئی بحری جہاز یہاں سے انہیں ٹیکس ادا کئے بغیر نہیں گذر سکتا تھا اور یہ اسے لوٹ لیتے تھے۔ غالباً انہیں لوگوں نے سری لنکا سے عرب سے جانے والا مسلمانوں حاجیوں اور عورتوں کا جہاز لوٹ لیا تھا' جو بعد میں محمد بن قاسم کے ہند پر حملہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

# سیاہ فاموں کو دیئے گئے نفرت کے نام

ہم اوراق سابقہ میں بتا آئے ہیں کہ جب آریاؤں نے اس ملک پر حملہ کیا تو یہاں کے تمام علاقے سیاہ فاموں کے قبضہ قدرت میں تھے۔ بیلسی آریاؤں سے یہاں کے سیاہ فام اور اصل ہندیوں کے معرکوں کا بھی ہم اجمالی تذکرہ کر آئے ہیں۔ متعصب آریاؤں نے یہاں کے سیاہ فاموں کو کئی نفرت و حقارت کے نام دیئے جو آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں اور سیاہ فاموں کے لئے ایک گالی سی بن کر رہ گئے ہیں۔ مثلاً آریاؤں نے ان سیاہ فاموں کو "کرشنت واچ" یعنی کالے منہ والے کہا۔ اج بھی برے انسان کو (اگرچہ اس کا رنگ سفید ہی کیوں نہ ہو) ہم کالے منہ والا کہتے ہیں۔ کسی گناہ گار یا بدکار انسان کو روسیاہ یا اندر و باہر سے کالا کہتے ہیں۔ معاشرے میں موجود بدمعاش' بدعنوان اور جرائم پیشہ افراد کو کالی بھیڑوں کا نام دیا جاتا ہے۔ بدکار انسان کو کالے دل کا مالک کہا جاتا ہے۔ اگر کسی بات میں سازش کی بو آئے تو کہ دیتے ہیں کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ غلط ذرائع سے کمائی گئی دولت کو کالا دھن کہتے ہیں۔ اندھیرے یا ظلمت کو ظلم و استبداد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ برے کاموں کو کالے کرتوت کہا جاتا ہے۔ کالا ناگ خواب میں بھی نظر آجائے تو اسے دشمن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ناجائز طریقے سے کی گئی تجارت کو بلیک مارکیٹنگ کہتے ہیں۔ کالا لباس ماتمی یا موت و غم کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ واجب القتل قیدی کو جس کوٹھری میں قید کیا جاتا ہے' اسے بھی کال کوٹھڑی کا نام دیتے ہیں۔ کالی آندھی کو بھی ظلم جبر اور بربریت کی علامت سمجھا جاتا ہے گویا آریاؤں نے اپنی مذہبی کتاب "وید" میں یہاں کے سیاہ فاموں کو ان کی رنگت کے پیش نظر نفرت و حقارت کے نام دیئے تھے وہ آج بھی ہمارے معاشرے میں غیر محسوس اور غیر ارادی طور پر مروج و مستعمل ہیں۔

آریاؤں نے یہاں کے ناک کے چوڑے نتھنوں والے سیاموں کو "اناس" (بغیر ناک کے) کا نام دیا گیا۔ یہ نام بھی ان لوگوں کے لئے آج تک نفرت' حقارت بلکہ گالی کے طور پر مروج و مستعمل ہے۔ اگر کسی شخص کا وقار معاشرے میں (کسی واقعہ کی وجہ سے) گر جائے تو کہتے ہیں کہ فلاں کی ناک کٹ گئی ہے۔ کسی معاملے می اگر کسی شخص

کی عزت و توقیر کا مسئلہ ہو تو کہتے ہیں کہ "ناک کا سوال ہے" پنجابی میں "ناک" کو چونکہ "ناس" کہتے ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص یا خاندان تباہ و برباد ہوجائے تو کہتے ہیں کہ "فلاں شخص یا خاندانکا ناس مار دیا گیا ہے"۔ یا اس کا ستیاناس کر دیا گیا ہے آریاؤں نے یہاں کے سیاہ فاموں کو "مردھرواچ" کا نام دیا' جس کا مطلب ہے درشت زبان والا۔ آج بھی ہم کسی مکرو چہرہ یا بدزبان کو کالے منہ والا ہی کہتے ہیں یا اگر کوئی شخص ناگوار بات کرے تو اسے یہی کہا جاتا ہے کہ "اپنی کالی زبان بند رکھ" آریاؤں نے یہاں کے سیاہ فاموں کو "داسیو" کا نام دیا۔ آج بھی ہم داس یا داسی غلام عورت یا مرد کو کہتے ہیں۔ ان پڑھ یا غیر مہذب یا گنوار کو دیہاتی کہتے ہیں۔ آریاؤں نے قدیم سیاہ فاموں کے وطن مالوف (پنجاب) کو واہیکا دیس کا نام دیا تھا' ہم آج تک بے حیا انسان کو واہیات کہتے ہیں اور بکواسات کو واہی تباہی کے الفاظ کے جامہ پہنا دیتے ہیں۔ آریاؤں نے ان تمام تر نفرت کے ناموں سے یہاں کے قدیم سیاہ فاموں کو یاد کیا تھا اور ایسے تمام نام بھی ان کے ویدوں میں موجود ہیں۔

# قدیم سیاہ فام اقوام کی ناپسندیدہ رسومات

قدیم سیاہ فاموں کی کچھ روایات ایسی تھیں جو بے حد ناپسندیدہ بلکہ ننگ انسانیت تھیں۔ دور وحشت میں تو بہرحال ہر قوم میں ایسی روایات رہی ہیں' لیکن سیاہ فاموں میں تمدن کے دور تک ایسی ناپسندیدہ روایات کے بے شمار تذکرے ہمیں کتب سیر میں ملتے ہیں۔ ہندوؤں کے ویدوں میں اس دور کے ہند کے سیاہ فاموں کی خصوصاً بے حیائی' بے لباسی اور جادو ٹونے کی رسومات کا تذکرہ بڑی نفرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں کے آریاؤں نے تو اپنے لوگوں کے لئے اس سرزمین کا سفر کرنا ہی ممنوع قرار دیا تھا' جہاں سیاہ فام لوگ رہتے تھے۔ ان کی خواتین کے متعلق ویدوں میں لکھا ہے کہ وہ بے پردہ گلیوں اور بازاروں میں مست پھرتی ہیں۔ ان کے مردوں کے متعلق بھی لکھا ہے کہ وہ اپنی خواتین سے جنگلی جانوروں کی طرح سرعام مباشرت کرتے ہیں۔ یہ تو خیر دور وحشت کی باتیں تھیں' لیکن حیرت ہے کہ تمدن کے دور میں بھی سیاہ فاموں کے معاشروں میں ایسی ناپسندیدہ باتیں موجود رہی ہیں۔ ہم اس باب میں محض چند ان اقوام کا تذکرہ کریں گے جن میں انسانی تمدن کے دور تک بلکہ مسلمان ہوجانے باوجود ناپسندیدہ رسومات موجود تھیں۔

## بنگال کے سیاہ فام

بنگال کے سیاہ فام لوگ بھی اگرچہ قدیم ترین زرد فاموں اور ہندی سیاہ فاموں کی مخلوط نسل سے ہیں' تاہم ماضی قریب تک ان کا طرز تمدن و معاشرت قدیم سیاہ فاموں سے بے حد مشابہہ تھی۔ مثلاً جس طرح قدیم ترین ہندی سیاہ فاموں کا معاشرہ جنسی اشتراکیت کا حامل تھا' اسی طرح ماضی قریب تک ان لوگوں کے نزدیک اس ضمن میں محرم و نامحرم یا انسانی رشتوں کے تقدس کی تمیز نہیں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ بنگال کے لوگوں کے متعلق علامہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں:۔

> "یہاں کے باشندے نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان' بلکہ دونوں مذہبوں کے خلاف آئین کے پابند ہیں۔ بہن (خصوصاً جڑواں) سے نکاح کرنا اچھا سمجھتے ہیں' اور بچے حقیقی ماں کے سوا کسی سے پرہیز نہیں کرتے"

یہ حقیقت ہے کہ قدیم سیاہ فاموں کا ماسوائے جادو ٹونہ کی رسومات کے' اور کوئی خاص مذہب نہیں تھا۔ ان کی خواتین اور مرد باہمی ملاپ کے معاملے میں جنگلی درندوں اور حیوانوں کی طرح آزاد و بے باک تھے۔ ان میں جادو اور ٹونے کی بے شمار روایات موجود تھیں جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں ان کی معاشرت کا حصہ ہیں۔ بنگال ہی کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابوالفضل لکھتے ہیں:۔

"جادو کا یہاں بے حد رواج ہے۔ ان ساحروں کے متعلق عجیب و غریب داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ انکے مکانوں کی چھتیں' ستون اور دیواریں آدمیوں کے جسم سے تیار کی جاتی ہیں۔ ان بدنصیب انسانوں میں بعض تو سحر کے شکار ہوتے ہیں اور باقی مجرم جو سزائے موت کے مستحق ہوتے ہیں' اس مصرف میں لائے جاتے ہیں اور ان میں سے جو شخص اس خدمت کے لئے خود آمادہ ہوجاتا ہے' اس سے ایک سال تک کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جاتی' بلکہ اس زمانے میں اس کے لئے طرح طرح کی نعمتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ لیکن جب سال تمام ہوتا ہے تو چند اشخاص برہنہ تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے آتے ہیں اور اس کا کام تمام کردیتے ہیں اور اس کی جنبش اور سکون اور دیگر علامتوں سے قحط و ارزانی' بادشاہ کی درازی عمر و غنیم کی شکست کا حال بھی بیان کردیتے ہیں۔ ان اشخاص کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ حاملہ عورت کا' جو زمانہ حمل تمام کرچکی ہو' پیٹ چاک کرکے بچے کو باہر نکال لیتے ہیں اور اس سے آئندہ واقعات کی بابت پیشین گوئی کرتے ہیں"۔

قدیم ترین سیاہ فاموں میں شرم و حیا' عزت و ناموس یا غیرت کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ مادر زاد ننگے رہتے تھے۔ ماضی قریب تک ان کے مرد صرف عضو مخصوص ایک نلکی میں چھپالیتے تھے جبکہ باقی ماندہ جسم ننگا رکھتے تھے' جبکہ ان کی خواتین صرف جسم کا نچلا حصہ ڈھانپتی تھیں جبکہ اوپر کا حصہ اور چھاتیاں ننگی رکھتی تھیں بنگالیوں کی اسی معاشرت کا تذکرہ علامہ ابوالفضل نے حسب الفاظ میں کیا ہے:۔

"مرد و عورت دونوں برہنہ رہتے ہیں' صرف ایک لنگ باندھ کر

بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں' بازار کے کاروبار میں عورتیں بہت زیادہ حصہ لیتی ہیں۔"

پاکستان میں موہنجوداڑو کی کھدائیوں کے نتیجہ میں پانی کا ایک ایسا حوض بھی دریافت ہوچکا ہے' جس کے متعلق اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ وہ مقدس حوض تھا۔ اور اس کی باقاعدہ پوجا ہوا کرتی تھی۔ غالباً مقدس حوض کی پوجا کسی نہ کسی شکل میں اب بھی ہندوؤں میں موجود ہے جو کسی مخصوص تالاب میں جا کر اشنان کرنا عین عبادت سمجھتے ہیں۔ قیاس غالب ہے کہ مقدس حوض کی عبادت کی رسم ہندوؤں نے یہاں کے قدیم سیاہ فاموں سے اپنائی ہوگی۔ ورنہ ظاہر ہے ہند کی خصوصاً آریائی اور زرد فام اقوام میں جو سرد خطوں یا پہاڑوں کی رہنے والی تھیں' غسل کو اتنی اہمیت حاصل نہیں رہی ہوگی۔ پہاڑی لوگ اب بھی شاذو نادر ہی نہاتے ہیں۔ خصوصاً سرد پہاڑوں کے رہنے والے غیر متمدن لوگ تو سال میں محض چند بار ہی نہاتے ہوں گے۔ غسل کے تقدس کی رسومات دراصل گرم مرطوب میدانی خطوں سے نکلی تھیں۔ بہر کیف بنگالیوں کے مقدس تالاب کے متعلق علامہ ابوالفضل لکھتے ہیں:۔

"قلعے سے ایک کوس کے فاصلے پر جانب شمال ایک بہت بڑی عمارت اور بڑا حوض ہے (ایسی ہی عمارت اور ایسا ہی حوض موہنجوداڑو میں دریافت ہوا ہے)۔ بہت قدیم زمانے کی یادگاریں ہیں۔ کسی قدر زمانے سے اس حوض کا پانی زہر آلود سمجھا جاتا ہے' اس جگہ کو بہاز بازی کہتے ہیں۔ جو مجرم سزائے موت کے مستحق ہوتے ہیں اس جگہ قید رکھے جاتے ہیں اور اس حوض کا پانی پینے سے تھوڑے ہی زمانے میں مرجاتے ہیں"

بہر کیف اب مشرقی بنگال میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور اس قسم کی قبیح و قدیم رسومات اسلام کی برکت سے ختم ہوچکی ہیں۔

## اوڑیسہ کے سیاہ فام

اوڑیسہ کے سیاہ فام بھی ماضی قریب تک انہیں رسومات پر عمل پیرا رہے ہیں جو سیاہ فام تمدن کا خاصہ تھیں۔ مثلاً قدیم سیاہ فام مرد بھی زیورات پہنتے تھے اور ماضی قریب تک اوڑیسہ کے سیاہ فاموں میں بھی یہ رسم موجود تھی۔ علامہ ابوالفضل لکھتے ہیں:۔

"(اوڑیسہ کے) مردوں میں زنانہ پن ہے۔ یہ بدن پر (خواتین کی طرح) صندل ملتے ہیں اور زیورات پہنتے ہیں"

قدیم سیاہ فاموں کی طرح ماضی قریب تک اوڑیسہ کے لوگ بھی ننگے رہتے تھے۔ خصوصاً ان کی خواتین کے متعلق علامہ ابوالفضل لکھتے ہیں:۔

"عورتیں صرف جسم کے نیچے کا حصہ ڈھانکتی ہیں اور یہ پوشش بھی زیادہ تر درختوں کے پتوں سے کی جاتی ہے"۔

ہندی سیاہ فاموں میں اس قسم کی قبیح رسومات ماضی قریب تک موجود تھیں۔ سلطان ٹیپو کے دور تک یہ لوگ ننگے رہتے تھے۔ ان کے سردار تو ایک بار جب سلطان ٹیپو نے پہننے کے لئے کپڑے دیئے اور اسے زبردستی پہننے پر مجبور کیا' تو وہ رو پڑا اور بڑی لجاحت سے اس نے درخواست کی کہ اسے اپنے اجداد کی رسومات پر عمل کرنے سے نہ روکا جائے۔

قدیم سیاہ فاموں کی ایک اور رسم یہ تھی کہ انکی ایک ایک عورت کے کئی شوہر ہوا کرتے تھے۔ ایسا ہندو پاک کے قدیم سیاہ فاموں میں رواج عام رہا ہے اور انہیں قدیم سیاہ فاموں سے یہی رواج قدیم زرد فاموں نے بھی اپنا لیا تھا۔ اہل اوڑیسہ کی خواتین کے متعلق علامہ ابوالفضل لکھتے ہیں:۔

"(ان کی) ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے ہیں"

## جزائر جاوہ و سماٹرا کے سیاہ فام

جزیرہ جاوہ کے سیاہ فاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن بطوطہ لکھتے ہیں

"ان شہروں میں جاوا اور بنگالہ کے مسلمان علیحدہ علیحدہ محلوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح علی الاعلان جماع کرتے ہیں۔ ایک ایک مرد کے تیس تیس عورتیں ہوتی ہیں' نہ کم نہ زیادہ۔ یہ لوگ زنا بھی نہیں کرتے اور اگر کوئی زنا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو مرد کو پھانسی دے دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی بجائے کوئی اپنا اور ہمراہی یا غلام دے دے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور عورت کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ راجہ کے کل غلام اس سے

مباشرت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مرجاتی ہے اور اس کو سمندر میں پھینک دیتے ہیں"

ان لوگوں کی برہنگی و بے لباسی کا تذکرہ ابن بطوطہ حسب ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ان کے مرد بالکل ننگے رہتے ہیں۔ فقط عضو مخصوص اور انثیین کو ایک بانس کی نلکی میں، جس پر نقش کئے ہوئے ہوتے ہیں، رکھ لیتے ہیں اور اس کو پیٹ پر باندھ لیتے ہیں۔ ان کی عورتیں اپنا ستر درختوں کے پتوں سے ڈھک لیتی ہیں"

## سوڈان کے سیاہ فام

مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں اس دور کے سیاہ فام سوڈانیوں کے تمدن کے بارے میں عجیب و غریب انکشافات کرتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس دور تک سوڈانی مسلمان تھے، لیکن اسلامی تعلیمات نے بھی ان کی ایام جاہلیت کی رسومات کا قلع قمع نہیں کیا تھا۔ مثلاً قدیم سیاہ فاموں کے متعلق ہمیں کئی روایات ایسی ملتی ہیں کہ ان میں مادری نظام حیات رائج تھا اور اولاد ماں کی نسبت سے پہچانی جاتی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم ترین سیاہ فاموں میں مادری نظام حیات قدیم زرد فاموں کے ذریعے آیا ہو۔ بہرکیف ابن بطوطہ اہل سوڈان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ان لوگوں کے رواج عجیب عجیب ہیں۔ مردوں میں غیرت کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنے باپ کا بیٹا نہیں کہلاتا بلکہ اپنے ماموں کا بھانجا کہلاتا ہے اور ہر شخص کے وارث اس کے بیٹے نہیں ہوتے بلکہ بھانجے ہوتے ہیں۔"

اس دور کے مسلمان سوڈانیوں کی خواتین کے بے پردگی کا تذکرہ ابن بطوطہ حسب ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

"تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان اور نماز کے پابند، قرآن کے حافظ اور بڑے بڑے فقہ دان ہوتے ہیں، ان کی عورتیں باوجود پابند نماز ہونے کے مردوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ اگر کوئی شخص ان سے شادی کرنا چاہے تو یہ کرلیتی ہیں"

وہاں کی عورتوں کی از حد درجہ آزادی و بے باکی کا تذکرہ ابن بطوطہ حسب ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"میں ایک روز وہاں قاضی کے گھر میں اجازت لے کر داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک نوجوان حسین عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کو دیکھ کر واپس جانے لگا تو یہ عورت ہنس پڑی اور بالکل شرمندہ نہ ہوئی اور قاضی نے کہا آپ واپس نہ جائیں یہ عورت میری دوست ہے۔ مجھے زیادہ تعجب اس لئے ہوا کہ یہ قاضی صاحب فقیہ اور حاجی بھی ہیں۔ مجھ سے کسی نے یہ بھی کہا کہ ان قاضی صاحب نے بادشاہ سے حج پر جانے اور اپنی اس دوست کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ بادشاہ نے اجازت نہ دی۔"

سوڈانی عورتوں کی آزادی و بے لگامی اور مردوں کی بے غیرتی کا مزید تذکرہ کرتے ہوئے ابن بطوطہ لکھتے ہیں:۔

"ایک روز میں ابو محمد یندکان کے پاس گیا، وہ اپنے گھر میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے گھر کے وسط میں تخت رکھا ہوا تھا جس پر سایہ ہو رہا تھا۔ اس پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اور ایک مرد سے گفتگو کر رہی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ عورت کون ہے۔ اس (ابو محمد یندکان) نے کہا کہ میری بیوی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ مرد کون ہے؟۔ اس نے کہ میری بیوی کا دوست ہے۔"

حیرت ہے کہ ایک مسلمان مرد بڑے طمطراق سے اپنے ایک معزز مہمان کو بتا رہا ہے کہ اس کی بیوی کے ساتھ، اس کے گھر میں، اس کی بیوی کا دوست بیٹھا ہوا ہے اور وہ دونوں اس کے سامنے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
سوڈانیوں کے بادشاہ کے دربار کا حال بیان کرتے ہوئے ابن بطوطہ لکھتے ہیں:۔

"ان کا دستور ہے کہ جب کوئی عورت بادشاہ کے روبرو جاتی ہے تو کپڑے اتار کر ننگے بدن جاتی ہے۔"

سوڈانیوں کی ناپسندیدہ عادات اور ان کی بے حیائی، بے لباسی یا عریانی کا تذکرہ کرتے

ہوئے ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

"ان لوگوں کے جو افعال مجھے ناپسند آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ لونڈیاں اور نوکر عورتیں اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ننگی مادر زاد پھرتی ہیں۔ رمضان کے مہینے میں اکثر ایسی عورتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ کیونکہ وہاں دستور ہے کہ ہر ایک امیر بادشاہ کے محل میں روزہ کھولتا ہے اور ہر ایک امیر کا کھانا بیس سے زیادہ لونڈیاں لاتی ہیں اور یہ سب کی سب ننگی ہوتی ہیں۔ اور جب کوئی عورت بادشاہ کے سامنے آتی ہے تو ننگی آتی ہے اور بادشاہ کی بیٹیاں بھی ننگی ہوتی ہیں۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے محل سے سو کے قریب عورتیں کھانا لے کر نکلیں اور ان کے ساتھ دو بادشاہ کی بیٹیاں بھی تھیں جو جوان تھیں اور ان کے سینے ابھرے ہوئے تھے' بالکل ننگی تھیں"۔

# اوائل اسلام کے دو عظیم ترین سیاہ فام انسان

ہم اوراق سابقہ میں بیان کر آئے ہیں کہ اسلام نے دنیا میں سب سے پہلے ذات پات اور رنگت کے اعتبار سے انسانوں کی بزرگی و برتری کے نظریہ کا قلع قمع کیا تھا۔ آنحضور ﷺ نے یہ فرماکر کہ "کسی گورے کو کالے پر یا کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے" گویا رنگ و نسل پر مشتمل عہد قدیم کے انسانوں کے انسانی برتری یا کمتری کے نظریہ کو دفن فرما دیا تھا۔ انسانوں کے مابین رنگ و نسل کے دیواریں صحابہ کرامؓ نے عملاً بھی گرادی تھیں۔ بہر صورت ہم اس باب میں ان دو سیاہ فام شخصیتوں کا تذکرہ کریں گے' جن کا نام مسلمانوں نے آج بھی بے حد عزت و احترام کے ساتھ یاد رکھا ہوا ہے۔

## شاہ نجاشی

طلوع اسلام کے وقت حبشہ کے سیاہ فام بادشاہ کا نام نجاشی تھا۔ یہ بادشاہ عیسائی تھا اور اس کی رعایا کی اکثریت بھی اسی مذہب پر تھی۔ مکہ میں جب بانی اسلام حضرت محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا' تو ابتدا میں آپ ﷺ پر ایسے لوگ ایمان لائے' جن میں سے اکثر بے حد مفلس اور غلام تھے۔ کفار مکہ نے ان نو مسلموں کا عرصہ حیات تنگ کرکے رکھ دیا اور مکہ میں ان کا جینا محال بلکہ ناممکن بنا دیا۔ جب کفار مکہ کے ان بے کسوں پر ظلم و ستم عروج تک پہنچ گئے تو آنحضور ﷺ نے اپنے ان مظلوم ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا وطن مالوف چھوڑ کر حبشہ کی سرزمین کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ خدائے واحد کے ان ماننے والوں نے چوری چھپے حبشہ کی راہ لی اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے نہایت کسمپرسی کی حالت میں حبشہ جاپہنچے۔ کفار مکہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان ان کی دستبرد سے بچ کر حبشہ جاپہنچے ہیں تو سیخ پا ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ انہوں نے شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں ایک موثر سفارتی وفد اس موقف کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ نو مسلم ان کے بھگوڑے غلام ہیں اور انہیں گرفتار کرکے ان کے حوالے کردیا جائے۔ کفار مکہ کو مکمل یقین تھا کہ ان کا سفارتی وفد کامیابی سے واپس

آئے گا' لیکن حبشہ کے اس نیک طینت' منکسرالمزاج اور انصاف پسند تاجدار نے کفار مکہ کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا' او یہ نو مسلم ان کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ کفار مکہ کے سفارتی وفد نے اپنی دال گلتی نہ دیکھ کر نجاشی کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ نو مسلم دین عیسیٰؑ کے مخالف ہیں۔ چنانچہ شاہ حبشہ' نجاشی نے ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا تو آنحضور ﷺ کے چچا حضرت جعفر طیارؓ نے اسے سورہ مریم تلاوت کرکے سنائی۔ قرآن حکیم کا سننا تھا کہ شاہ حبشہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی گویا جھڑی لگ گئی۔ انہوں نے نہ صرف کفار مکہ کے سفارتی وفد کو بے نیل و حرام واپس بھیج دیا بلکہ اپنے ملک میں پناہ گزین ہونے والے ان مسلمانوں کو بے حد سہولتیں دیں اور ان کی تکریم کی۔ نجاشی کے اس عمل کی وجہ سے حضور پاک ﷺ تمام زندگی اس شخص کو نہ صرف اچھے الفاظ کے ساتھ یاد کرتے رہے بلکہ اس کے حق میں دعا بھی فرماتے رہے۔ اسلام کی تاریخ میں شاہ نجاشی پہلا بادشاہ تھا جسے اسلام کی حمایت کی سعادت حاصل ہوئی۔ کئی روایات تو ایسی بھی ملتی ہیں' جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ نجاشی مسلمان ہوگیا تھا' لیکن اس کی رعایا چونکہ عیسائی تھی لہٰذا اس نے اپنے اسلام کو ان مصلحت کے تحت سے چھپائے رکھا۔ جو بھی ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضور ﷺ نے بعد میں جب نجاشی کی وفات کی خبر سنی تو آپ ﷺ نے نہ صرف افسوس کا اظہار فرمایا بلکہ اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا فرمائی اور یوں دنیائے انسانیت کے بادشاہوں کی تاریخ میں صرف نجاشی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ایک پیغمبر ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

## حضرت بلال حبشیؓ

حضرت بلال حبشیؓ کا نام ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن ہے۔ دین کی خاطر جتنی صعوبتیں حضرت بلالؓ نے برداشت کی اور ان جان لیوا سختیوں کے باوجود جس عزم و استقلال کا حضرت بلال نے مظاہرہ کیا' تاریخ اسلام میں تو کیا' دنیائے انسانیت کی تاریخ میں اسکی نظیر ملنا محال ہے۔ انہیں گرم اور تنور کی طرح دہکتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا' ان کے جسم پر آگ کے انگاروں کی طرح تپتے ہوئے پتھر رکھے گئے' ان کے جسم کے

گوشت کے سڑنے اور چربی کے چڑچڑانے کی آواز صاف سنائی دیتی تھی' ان کے جسم اطہر پر کوڑے برسا برسا کر لہولہان کردیا گیا' لیکن کفار مکہ اپنی تمام تر ستم رانیوں کے باوجود انہیں اسلام سے گشتہ نہ کرسکے۔ بلکہ جوں جوں کفار مکہ کا ستم بڑھتا گیا' توں توں حضرت بلالؓ کے دین و ایمان میں استقامت آتی گئی۔ حتیٰ کہ مارنے والوں کے ہاتھ مار مار کر شل ہوگئے' لیکن مار کھانے والے کے ایمان و استقلال میں سرموفرق تک نہ آیا۔

حضرت بلالؓ تاریخ اسلام کے پہلے موذن اور آنحضور ﷺ کے بے حد لاڈلے اور محبوب صحابیؓ تھے۔ ان کے مرتبے کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ اپنے دور خلافت میں بھی انہیں سیدنا بلالؓ (ہمارے سردار بلالؓ) کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ حضرت بلالؓ کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان پر الگ سے ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے' تاہم ان صفحات میں ہم نے ان کا از راہ تبرک مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

## امیر الامراء جلال الدین یاقوت ۔ رضیہ سلطان کا محبوب ترین امیر

پاک و ہند کی تاریخ میں جہان سلطان التمش کی لائق بیٹی رضیہ سلطان کا نام اس لحاظ سے جلی حروف میں لکھا جاتا ہے کہ وہ ہند کی پہلی مسلمان خاتون تاجدار تھیں' تو جلال الدین یاقوت حبشی کا نام رضیہ سلطان کے نام کے ساتھ اس لئے زندہ رہے گا کہ وہ اس ملکہ ہند کا محبوب ترین امیر تھا۔ رضیہ سلطان نے ہندوستان پر صرف تین سال حکومت کی لیکن ان تین سالوں میں رضیہ سلطان کے دل پر یاقوت حبشی کی حکومت کا سکہ چلتا رہا۔ جلال الدین یاقوت سلطان التمش کے نخاس خانے کا محض ایک محافظ تھا' لیکن رضیہ سلطان کو اس سے اس قدر عشق تھا کہ اس نے اسے ترقی دے کر امیر الامراء بنا دیا۔ رضیہ سلطان کے دیگر امراء و حکام کو یہ بات بے حد گراں گذری۔ بدقسمتی سے رضیہ سلطان غیر شادی شدہ تھی اور اس کی نوازشات جلال الدین یاقوت پر حد سے زیادہ بڑھتی جاتی تھیں' جن کا رضیہ سلطان کے امراء نے بے حد منفی اثر لیا۔ یاقوت کی ملکہ کے ساتھ بے تکلفی یہاں تک بڑھ گئی کہ جب رضیہ سلطان گھوڑے پر سوار ہونے لگتی تو جلا الدین یاقوت اپنے دونوں ہاتھ اس کی بغلوں کے نیچے سے ڈال کر اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر سوار کراتا تھا۔ اس بات سے رضیہ سلطان کے امرا اور درباریوں میں جلال الدین یاقوت کے خلاف نفرت و حسد کی ایک لہر دوڑ گئی اور ایک سیاہ فام شخص پر رضیہ کی پیہم مراعات کی بارش سے یہ لوگ برافروختہ ہوگئے۔ چنانچہ سب سے پہلے حاکم لاہور کبیر خان نے رضیہ سلطان سے بغاوت کردی اور خود مختاری کا اعلان کردیا۔ رضیہ سلطان ایک گرانقدر فوج لے کر کبیر خان کی طرف بڑھی لیکن کبیر خان نے اپنے انجام کا سوچ کر توبہ کرلی اور رضیہ نے بھی اس کی خطا معاف کردی اور اسے لاہور کی حکومت پر بحال رکھا۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد بٹھنڈہ کے حاکم ملک التونیہ نے بھی رضیہ سلطان کی اطاعت کا جوڑ اتار پھینکا اور اعلان بغاوت کردیا۔ ملکہ نے اس کے خلاف جنگ کی لیکن قسمت نے ملکہ کا ساتھ نہ دیا اور اس کا محبوب حبشی غلام یاقوت اس جنگ میں قتل کردیا گیا۔

## ملک کافور ۔ علاؤالدین خلجی کا مشہور جرنیل

علاؤ الدین خلجی نے ۱۳۰۶ء سے ۱۳۱۱ء تک جنوبی ہندوستان پر تین بر یلغار کی۔ لیکن ان یلغاروں میں علاؤالدین خلجی نے بہ نفس نفیس کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ اس کا

مشہور ترین حبشی جرنیل ملک کافور ان یلغاروں کا کماندار تھا۔ ملک کافور کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ گجرات (کاٹھیا واڑ) کا رہنے والا تھا اور ایک جنگ میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ ایک قیدی کی حیثیت سے آیا تھا۔ علاؤ الدین خلجی نے چونکہ پہچان لیا تھا کہ یہ شخص بے حد خوبیوں کا مالک ہے' لہٰذا اس نے ملک کافور کو بتدریج ترقی دے کر اپنی فوج کا کماندار بنا دیا تھا۔

پہلے پہل علاؤالدین خلجی نے جب دیوگری پر یلغار کی تھی تو وہاں سے جنگ کئے بغیر محض خراج کے وعدے وعید پر وہ واپس چلا گیا تھا۔ تاہم بعد میں دیوی گری سے خراج آنا بند ہوگیا تو اس نے اپنے اس قابل ترین سیاہ فام جرنیل کی کمانڈ میں ایک مہم روانہ کی۔ ملک کافور نے دیوگری کو مکمل طور پر فتح کرکے سلطان علاؤالدین خلجی کی سلطنت میں شامل کردیا۔ ۱۳۰۸ء میں سلطان علاؤالدین خلجی نے ملک کافور کو وارنگل کی ایک نہایت اہم مہم پر بھیجا۔ ملک کافور نے وہاں کے راجہ کا محاصرہ اس شدت سے کیا کہ اسے ہتھیار ڈالتے ہی بنی' اور ملک کافور اس سے خراج لے کر واپس لوٹا۔ تیسری بار ملک کافور کو ۱۳۱۰ء میں جنوبی ہند کی مہم پر روانہ کیا گیا تو یہ شخص مسلسل و پیہم کامرانیاں حاصل کرتا ہوا وہاں پہنچا اور وہاں سے جنوبی ہندوستان کے زیریں ترین حصہ راس کو مرین کے ساحلوں کی طرف یلغار کرتا ہوا انہیں زیر نگیں کرکے لوٹا۔ گویا اس نے اپنے آقا سلطان علاؤالدیں خلجی کی حکومت کا سکہ سری لنکا کے ساحلوں تک چلا دیا تھا۔ ملک کافور نے راس کومرین میں ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی اور یوں ہندوستان کے جنوبی علاقوں میں پہلی بار اذان کی آواز سنائی دی تھی۔ ۱۳۱۶ء میں سلطان علاؤ الدین کے خلاف پورے ملک میں بغاوت پھیل گئی اور خانہ جنگی کا سلسلہ چل نکلا۔ ان حالات میں ملک کافور کی خواہش تھی کہ وہ بذات خود تخت و تاج پر قبضہ کرلے تاہم اسی تگ و دو میں وہ قتل ہوگیا۔ مورخین ملک کافور کا شمار ہندوستان کے قابل ترین جرنیلوں میں کرتے ہیں۔

## ملک امنبر۔ جنوبی ہندوستان سیاہ فام چھاپہ مار جرنیل

سولھویں صدی کے اوائل میں ریاست احمد نگر کا وزیر اعظم ایک سیاہ فام تھا جس کا نام ملک امنبر تھا۔ یہ شخص بے حد ذہین اور دلیر جرنیل بھی تھا۔ یاد رہے کہ مغل بادشاہ اکبر اعظم نے احمد نگر کو فتح کرنے کی بے حد کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا اس کے بعد اکبر اعظم کے بیٹے جہانگیر نے اپنے طویل دور حکومت میں احمد نگر پر پے

در پے حملے کئے لیکن وہ احمد نگر کو سرنگوں نہ کرسکا۔ ملک امنبر نے احمد نگر' بیجا پور اور گولکنڈہ کی ریاستوں کو متحد کرکے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور مغلوں کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔ اگرچہ ملک امنبر کی یہ متحدہ فوج مغل فوج کے مقابلہ میں ناکافی تھی' تاہم ملک امنبر نے جہانگیر کے خلاف گوریلا جنگ شروع کردی۔ کئی مورخین ملک امنبر کو ہندوستان میں گوریلا جنگ کا بانی بھی کہتے ہیں۔ ملک امنبر کے جیتے جی مغل احمد نگر' بیجا پور اور گولکنڈہ کی ریاستوں میں قدم نہ جما سکے اور اس کی وفات کے بعد جہانگیر نے یہ علاقے فتح کئے۔ ملک امنبر کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک سیاہ فام غلام تھا جو صرف اپنی قابلیت کے بل بوتے پر ترقی کرکے جرنیل اور احمد نگر کا وزیر اعظم بنا تھا۔ اس ملک امنبر نے سب سے پہلے زرخیز اور بارانی زمینوں پر الگ الگ لگان کا نظام قائم کیا تھا جس کی بعد میں مغلوں اور ان کے بعد انگریزوں نے بھی تقلید کی۔ یہی لگان ہمارے یہاں اب بھی رائج ہے۔

## ہوش محمد شیدی شہید

ہوش محمد شیدی کا تعلق سندھ کے شیدیوں کے سیاہ فام خاندان سے تھا اور یہ سندھ کے ٹالپور خاندان کے دور میں اعلیٰ فوجی سالار تھا۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزی سالار چارلس نیپیئر کی سرکردگی میں انگریزوں نے سندھ فتح کرنے کے لئے حملہ کیا تو حیدر آباد سے چھ میل کے فاصلہ پر میانی کے میدان میں سندھیوں اور انگریزوں کے مابین رن پڑا۔ سندھی فوج انگریزوں کی پیشہ ور فوج کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکی اور پسپا ہوگئی۔ ہوش محمد شیدی اس وقت قلعہ حیدر آباد کا حاکم تھا۔ اس کے ہمراہ شیدیوں ہی کی فوج تھی۔ یہ شخص حیدر آباد میں قلعہ بند ہو کر بڑی مستعدی کے ساتھ آخری دم تک انگریزوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس نے انگریز فوج کے کئی حملے پسپا کئے' لیکن اسے باہر سے کوئی کمک نہ پہنچ سکی۔ یہ شخص دیوانہ وار یہ نعرہ لگاتا رہا:۔

"سر ڈیسوں پر سندھ نہ ڈیسوں"
(سر دیں گے لیکن سندھ نہیں دیں گے)

او بالاخر یہی ہوا کہ ہوش محمد شیدی لڑتا ہوا میدان جنگ میں شہید ہوگیا۔ یہ ۱۸۴۳ء کا واقعہ ہے۔

# جنجیرہ اور ساچین - ہندی سیاہ فاموں کی آخری دو ریاستیں

ہند میں شیدی قوم کے سیاہ فاموں کی دو ریاستیں ماضی قریب تک بے حد مشہور رہی ہیں جن کے نام جنجیرہ اور ساچین تھے۔ یہ دونوں ریاستیں مغربی ہند میں تھیں، جنجیرہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک جزیرہ تھا جس کے ارد گرد قلعہ بنا ہوا تھا۔ اسی جزیرہ کو مقامی زبان میں جنجیرہ بنا دیا گیا۔ اس جزیرے پر جو قلعہ ہے وہ بہت قدیم ہے اور اس کا تذکرہ پلنی نے بھی سگریس یا زجریس کے نام سے کیا ہے۔ یہ قلعہ پہلے پہل ایک مسلمان حاکم ملک احمد نامی کے ایک سیاہ فام غلام سیدی یاقوت نے فتح کیا تھا۔ یہ شخص اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ساحل سمندر سے تیر کر جزیرے پر حملہ آور ہوا تھا اور قلعہ کے محافظین پر اچانک حملہ کرکے انہیں قتل کرنے کے بعد قلعہ پر قابض ہوگیا تھا۔ سیدی یاقوت حبشی کا آقا ملک احمد اپنے غلام کی اس بہادری سے اس قدر خوش ہوا تھا کہ اس نے سیدی یاقوت کو جنجیرہ کا آزاد حکمران تسلیم کرلیا تھا۔

سیدی یاقوت اور اس کی اولاد نے کئی صدیوں تک متواتر جنجیرہ پر مسلمان حکمرانوں کی علمداری میں حکومت کی۔ سولھویں صدی کے اواخر میں جنجیرہ مغلوں کی علمداری میں چلا گیا، تاہم یہاں کے حکمران سیدی خاندان کے لوگ ہی رہے۔ یہ لوگ بحری جنگ کے بے حد ماہر تھے اور ان کی بحری جنگ کی صلاحیتوں کو مغل اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اکبر اعظم نے انہیں سیدیوں کے ایک حاکم کو اپنا امیر البحر بھی مقرر کیا تھا۔

۱۶۳۰ میں اکبر مرہٹہ سردار شیواجی نے مغلوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور پھر آہستہ آہستہ ایک بہت بڑی مرہٹہ سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ ۱۶۵۸ء میں شیواجی نے پوری قوت کے ساتھ جنجیرہ کی سیاہ فام ریاست پر حملہ کردیا۔ اگرچہ شیواجی مرہٹہ نے سیاہ فام سیدیوں سے ساحلی علاقے تو چھین لئے تھے لیکن وہ جنجیرہ پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے بعد مرہٹے ڈیڑھ صدی تک متواتر جنجیرہ کے سیدیوں پر حملے کرتے رہے لیکن وہ جنجیرہ کو فتح نہ کرسکے۔ تاہم انگریزوں کے دور میں جنجیرہ بھی انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا جسے ۱۹۴۷ء میں دوسری ریاستوں کی طرح ہندوستانی وفاق میں ضم کردیا گیا۔

دوسری آزاد حبشی ریاست ساچین تھی اور اس ریاست کے بھی جنجیرہ ہی کے شاہی خاندان کے لوگ حاکم تھے۔ یہ ریاست چونکہ جنجیرہ کی نسبت چھوٹی تھی لہٰذا مرہٹوں نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس ریاست کو بعد میں انگریزوں نے مرہٹوں سے آزاد کرواکر بحال کردیا تھا جو ۱۹۴۷ء میں ہند کے وفاق کا حصہ بن گئی۔

# ہندوستان کی دراوڑی اقوام

ہندوستان مین آج بھی سیاہ فام اقوام کثرت سے آباد ہیں۔ پاکستانی سیاہ فام اقوام اگرچہ دوسری اقوام سے مخلوط ہو کر اپنے اصلی خدوخال اور رنگت کھوتی جارہی ہیں لیکن ہندوستان میں آج بھی ایسی سیاہ فام اقوام موجود ہیں جن میں اپنا اصلی رنگ اور اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ ایسی اقوام زیادہ تر نیلیگری، گونڈوانہ اور ناگپور میں آباد ہیں۔ دور وحشت میں ان کا مسکن نیلیگری کی وادیوں میں تھا اور کم و بیش تین ہزار سال قبل مسیح میں باب تورانی کے راستے ان پر زرد فام تورانیوں نے حملہ کیا تھا۔ ہندی الاصل دراوڑیوں پر زمانہ وحشت کے اس حملہ کا ذکر کرتے ہوئے تمدن ہند کے مصنف گستاؤ لی بان لکھتے ہیں:۔

"یہ اقوام زرد فام برہم پتر کی وادی سے گذرنے کے بعد مشرق کی طرف روانہ ہوئیں۔ یہاں انہیں اس پہاڑی خطے نے روکا جو اب گونڈوانہ کہلاتا ہے۔ اصلی باشندگان سیاہ فام نے جو بالکل مقابلہ نہ کرسکتی تھیں یہاں (گونڈوانہ) آکر پناہ لی اور اس خطے کی دشوار گذار زمیں اور یہاں کی قاتل آب و ہوا نے اجنبیوں (زردفام تورانیوں) کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اب یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ایک ان میں سے ایک گنگا کے کنارے کنارے مغرب کی طرف چلا اور دوسرے نے خلیج بنگالہ کے کنارے کنارے جنوب کی راہ لی"۔

اگرچہ ہند کی سیاہ فام اقوام ان تورانیوں کے اثر سے مکمل طور پر محفوظ تو نہ رہ سکیں، تاہم ان اقوام پر اپنا اصل رنگ غالب رہا اور ان کے برعکس زرد فام تورانی اقوام تقریباً ان میں جذب ہو کر رہ گئیں اور اپنے اصل خدوخال سے محروم ہوگئیں۔ بہرکیف ان تورانیوں اور ہند کے قدیم ترین سیاہ فاموں کے ملاپ سے جو قوم وجود پذیر ہوئی اسی کو ماہرین پروٹو ڈراویڈی یا قدیم قوم دراوڑ کہتے ہیں۔ ہندوستان میں دراوڑ قوم کے باقیات کے طور پر کئی اقوام آباد ہیں جن میں سے چند اہم قوموں کا ہم فرداً" فرداً" مختصر سا تذکرہ کریں گے۔

## تامل اور تلنگے

تامل اور تلنگے قدیم ہندی دراوڑی قوم کے بہترین نمونے و باقیات کہے جاسکتے ہیں۔ یہ اقوام جنوبی ہند میں گوداوری سے لے کر کیپ کامران تک کے علاقے میں آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اقوام ہند کے قدیم ترین سیاہ فاموں اور تورانی الاصل زرد فاموں کے میل سے وجود پذیر ہوئی تھیں۔ ہند کے علاوہ یہ اقوام سری لنکا میں بھی آباد ہیں۔

## کول

ہندوستان کے کول زیادہ تر چھوٹے ناگپور کی اونچی گھاٹیوں میں رہائش پذیر ہیں۔ خلیج کھمبائچ سے گنگا تک کے پہاڑی خطوں میں کئی کول ملتے ہیں۔ اگرچہ عام نظریہ یہی ہے کہ کول قوم بھی تامل اور تلنگوں کی طرح ہند کے قدیم ترین سیاہ فاموں اور زرد فام تورانیوں کے میل سے وجود پذیر ہوئی ہے تاہم ہمارے خیال کے مطابق کول قوم کا نسبی تعلق قبل از تاریخ کی اس کالدین قوم سے ہے جو بابل و سومیر میں آباد تھی۔ یہ قوم نامعلوم دور میں بابل سے بوجہ نقل مکانی کر کے پاکستان کے قدیم شہر دیبل اور اس کے نواحی علاقوں میں ساحل سمندر کے کنارے کنارے آباد ہوئی تھی اور بعد میں اس نے مالا بار کے علاقوں تک اپنی بستیاں وسیع کرلی تھیں۔ یہ قوم پاکستان میں ساحل سمندر کے کنارے نامعلوم دور میں (آریاؤں کی ہند پر لشکر کشی کے زمانہ سے بھی غالباً پہلے) آباد ہوئی ہوگی۔ ساحل سمندر کے کنارے اس قوم کی آباد کاری کا ثبوت ان بستیوں اور شہروں کے قدیم ناموں سے ملتا ہے مثلاً دیبل' لس بیلہ' قنداببل' قنببیل اور ارمائیل وغیرہ اور وہ تمام شہر جن کے آخر میں لفظ "ایل" آتا ہے ایل اس قوم کے خدا کا نام تھا جو بعد میں عربی زبان میں الٰہ یا اللہ بن گیا۔ قیاس غالب ہے کہ نمرود بھی اسی قوم میں پیدا ہوا تھا۔ یہ قوم گویا دور قدیم میں بابل سے پاکستان آئی تھی۔ لفظ بابل کی اصل بھی "باب ایل" ہے یعنی ایل (خدا) کا شہر۔ یہ عین ممکن ہے کہ سندھ کے شیدی اور مکران کے مکرانی بھی اسی کالدین قوم کے باقیات ہوں جو اب دیگر کئی اقوام سے بھی مخلوط ہو چکے ہیں۔ اگر یہ اندازہ درست ہے تو کول قبل از مسیح کے قدیم دور میں بے حد اعلیٰ تمدن پر فائز رہے ہیں۔ تمدن کی موجودہ پستی میں انہیں بعد کی حملہ آور اقوام نے دھکیلا ہوگا۔

## قوم ڈوم

قوم ڈوم ہندوستان میں زیادہ تر دردستان کے علاقے میں آباد ہے۔ پاکستان میں

بھی تقریباً ہر شہرو ہر قریئے میں ڈوم قوم آباد ملتی ہے۔ یہ بھی پاک و ہند کی خالصتاً سیاہ فام قوم ہے اور یہاں کی قدیم ترین نسل کے باقیات میں سے ہے۔ ان کی جلد بے حد سیاہ ہے اور وسط ہند کے سیاہ فاموں سے مشابہہ ہے۔

## قوم کھاسیا اور آلور

ہندوستان میں آسام کے علاقے میں کھاسیا قوم آباد ہے۔ یہ غالباً سیاہ فام ناگاؤں کی ایک شاخ ہے جس میں سانپ کا پرستش کا رواج رہا ہے۔ یہ قوم ایک عجیب و غریب سی زبان بولتی ہے۔ ان کی زبان کے ماخذ کے متعلق ماہرین لسانیات مختلف آراء رکھتے ہیں۔

آسام کے علاقے میں کھاسیا قوم کے ساتھ ایک اور قوم آلور بھی بستی ہے۔ ماضی قریب تک یہ قوم جنگلوں میں مادر زاد ننگا رہنے کی عادی تھی۔ ماضی قریب تک یہ قوم زراعت و کھیتی باڑی سے بالکل ناآشنا تھی اور اس کی گذر بسر صرف پھل پھول اور شکار کے گوشت پر تھی۔ کھاسیا اور آبور قومیں بلاشبہ ہندوستان کی قدیم ترین سیاہ فام قومیں ہیں اور اب بھی تمدن کے نچلے درجے پر فائز ہیں۔

## قوم گارو

قوم گارو کا تعلق بھی سرزمین آسام سے ہے۔ ان میں ماضی قریب تک انسانی قربانی کی رسم موجود تھی۔ خصوصاً یہ لوگ اپنے مردوں کے حق میں قربانی دینے کے لئے ہمسایہ بنگالیوں کو پکڑ لاتے تھے اور ان کا گلا کاٹ کر اپنے مردوں کی لاش کے گرد ان کا خون چھڑکا کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ ماضی میں یہ مردوں کو شہد میں بھگو کر جلایا کرتے تھے۔ یہ قوم بھی ہندوستان کی قدیم ترین سیاہ فام اقوام میں سے ہے۔

## قوم ناگ

قوم ناگ بلاشبہ پاک و ہند کی قدیم ترین سیاہ قوم ہے جو موجودہ پاک پنجاب' سرحد' بلوچستان' اور کشمیر میں بھی ماضی بعید یا قبل از تاریخ کے دور میں آباد رہی ہے۔ ناگ دیوتا کی پوجا کی وجہ سے اس قوم کو ناگ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بہادر و جنگجو قوم

ہے جس نے کبھی کسی قوم کی غلامی قبول نہیں کی اور ہمیشہ آزاد و خود مختار رہی۔ اس قوم کی رنگت از حد سیاہ ہے۔

## بڈگے

بڈگے بھی ہندوستان کی سیاہ فام قوم ہیں جو زیادہ تر نیلگری کی وادیوں میں آباد ہیں۔ عموماً یہ لوگ چھوٹے قد کے ہوتے ہیں۔ رنگت زیادہ سیاہ ہے۔ زراعت پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ مویشی بھی پالتے ہیں۔ عموماً شیوجی کی پوجا کرتے ہیں۔ ارواح پرست بھی ہیں۔

## کورمٹے، کوٹے اور اریولے

ان کا شمار بھی ہندوستان کی نیلگری وادیوں کی باسی سیاہ فام قوم میں ہوتا ہے اور یہ بھی رنگت کے لحاظ سے زیادہ سیاہ ہیں۔ یہ اسٹریلیائی سیاہ فاموں سے بے حد مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ اقوام اپنی ہمسایوں قوموں میں جادو اور ٹونے میں مہارت کی وجہ سے بہت مشہور رہی ہیں۔ عموماً نیلگری کے نشیبی علاقے ان کا مامن و مسکن ہیں۔

## شنار اور الاوا

شنار اور الاوا نیلگری کے جنوبی حصے کی باسی اقوام سیاہ فام ہیں۔ ٹراونکور سے کیپ کامران تک یہ اقوام پھیلی ہوئی ہیں۔

## نیادی

نیادی بھی ہندوستان کی سیاہ فام قوم ہے جو کالیکٹ اور پولی کٹ کی جھیل کے نواحی علاقوں میں آباد ہے۔

## کوللر

کوللر ہندوستان کی بے حد وحشی سیاہ فام قوم ہے، جو کو ئمبٹور اور مدورا کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اب یہ قوم کسی قدر متمدن ہو چکی ہے۔ ماضی میں

اس قوم میں ایک دل ہلا دینے والی وحشیانہ رسم موجود تھی۔ اس رسم کے مطابق ان کا اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے دشمنی و عناد رکھتا تھا تو اس دشمنی کے اظہار کے لئے وہ اپنے چھوٹے بچے کو اس دشمن شخص کے دروازے پر کھڑا ہو کر کچا چبا جاتا تھا۔

## بھیل

ہندوستان کی بھیل قوم بھی سیاہ فام نسل سے ہے یہ دکن و گونڈوانہ کے علاوہ زیادہ تر ہندوستان کے شمالی اور مغربی حصوں میں آباد ہے۔ یہ قوم اوڑیسہ بنگال اور چھوٹے ناگپور میں بھی آباد ہے۔ یہ حبشی وش قدیم پروٹوڈ راویڈی قوم ہے۔

## پاکستان کی سیاہ فام اقوام

آریاؤں کے اس ملک پر حملہ سے پہلے پورے پاکستان کی مالک سیاہ فام اقوام تھیں۔ ان سیاہ فاموں میں غالباً تورانی اثر بھی موجود تھا۔ جس کی بنا پر انہیں دراوڑی اقوام کہا جاتا ہے۔ ان کا عمومی پیشہ کھیتی باڑی تھا اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں یہ دراوڑی اقوام اپنے دور کی تمام تر اقوام میں سے زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ تھیں' جیسا کہ ہڑپہ و موہنجوداڑو کی شکل میں دریافت شدہ آثار اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ جب آریاؤں نے پاکستان پر درہ خیبر کی راہ سے حملہ کیا تو غالباً موجودہ ٹیکسلا دراوڑی قوم کا پہلا مرکز تھا جو ان کے راستے میں آیا۔ ٹیکسلا میں ناگ کی پوجا کے دریافت شدہ قدیم ترین آثار و شواہد وہاں اس دراوڑی قوم کی آریائی حملہ سے پہلے موجودگی کا پتہ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے آریاؤں نے پنجاب و سندھ میں داخلہ کے لئے سب سے پہلے دراوڑیوں سے ٹیکسلا کا علاقہ چھینا ہوگا۔ یوں لگتا ہے کہ آریاؤں نے سیاہ فام دراوڑیوں کے دیگر پنجابی شہروں کے برعکس ٹیکسلا باآسانی فتح کرلیا تھا۔ ٹیکسلا کے سیاہ فام دراوڑ کچھ تو آریاؤں نے قید کرکے غلام بنالئے ہوں گے اور کچھ جنوبی پنجاب و سندھ کی طرف بھاگ آئے ہوں گے۔ بہر صورت جوں جوں آریہ آگے بڑھتے گئے۔ توں توں' دراوڑی قوم موجودہ صو.ہ سندھ کی طرف ان کے آگے آگے بھاگتی گئی۔ بلاشبہ ان دراوڑیوں کے وحشی آریاؤں سے پنجاب میں بڑے جاندار معرکے بھی ہوئے ہوں گے تاہم ایک مہذب قوم کا ایک ایسی وحشی قوم سے کیا مقابلہ ہو سکتا تھا جو عسکری ہتھیاروں کے لحاظ سے دراوڑیوں پر قدرے فوقیت رکھتی تھی۔ ہڑپہ یا جلیل پور غالباً دراوڑوں کا آخری مرکز و حصار تھے جنہیں آریاؤں نے فتح کیا۔ بعد میں سندھ تک

آریاؤں کی فتح کی تکمیل کافی دیر بعد ہوئی۔ بہر کیف سندھ و پنجاب کی فتح کے دوران جو سیاہ فام دراوڑی آریاؤں کے ہتھے چڑھ گئے انہیں غلام کا شکار بنا لیا گیا اور جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے انہوں نے سندھ کے انتہائی جنوبی علاقوں' بلوچستان اور بحیر عرب کے کنارے نسبتاً" دشوار گذار خطوں میں جاکر پناہ لی۔ جو دراوڑی آریاؤں نے غلام بنا لئے تھے ان کے باقیات موجودہ صوبہ پنجاب میں مصلی' میراثی' چوڑھے اور چمار ہیں جبکہ سندھ میں سیاہ فام مصلیوں و میراثیوں کے علاوہ شیدی قوم سے محفوظ رہے اور دور دراز کے دشوار گذار خطوں میں جاکر پناہ گزین ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے ان کے باقیات موجودہ مکرانی اور ساحل سمندر سے مالا بار کے علاقوں تک اب بھی آباد ملتے ہیں۔

بعد میں غالبًا ان بحیرہ عرب کے ساحلی آباد کار سیاہ فاموں میں ایک اور سیاہ فام قوم کا خون بھی شامل ہوا جسے مورخین کالدین قوم کا نام دیتے ہیں اور جدید تاریخ نے اسے کول قوم کے نام سے یاد رکھا ہوا ہے۔ پاکستان کی سیاہ فام اقوام کے اس مختصر سے تاریخی پس منظر کے بعد ہم ان سیاہ فام قبائل کی قبائلی تاریخ کی طرف آتے ہیں جو اب بھی پاکستان میں آباد ہے۔

## میراثی

"میراثی" کا لفظ "میراث" سے نکلا ہے۔ عربی میں میراث کے معنی وراثت ہیں۔ خطہ پاک و ہند میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں جو بندوبست ہوئے' ان سے پہلے مالکانہ حقوق یا خاندانی وراثت کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کا طریقہ موجود نہ تھا اور نہ ہی کسی قسم کا قوموں یا گوتوں کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا' بلکہ یہ ریکارڈ میراثیوں کے دل پر نقش ہوتا تھا جو خصوصاً اپنے اپنے علاقوں کی گوتوں کے شجرہ ہائے نسب یاد رکھتے تھے اور پشت در پشت اپنی نسلوں کو بتاتے تھے۔ یہ لوگ ایک قسم کے جینا لوجسٹ (GENEALOGIST) ہوتے تھے جن میں یہ فن پشت در پشت چلتا تھا۔ وراثت کے جھگڑوں' مالک اعلیٰ یا مالک ادنیٰ کے تعین' یا قوم' گوت اور برادری کے تعین میں میراثیوں کی رائے کو حتمی حیثیت حاصل ہوا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں یہ لوگ ہر قوم برادری یا گوت کے بزرگوں کے کارنامے بھی زبانی یاد رکھتے تھے۔ فلاں قوم میں فلاں سورما گذرا ہے جس نے فلاں فلاں کارنامے سرانجام دئے تھے' فلاں قوم کا جدامجد فلاں فلاں اوصاف حمیدہ کا مالک تھا' فلاں قوم نے فلاں قوم سے لڑائی یا جھگڑے کے دوران فلاں فلاں بہادری کے کارنامے دکھائے تھے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں میراثیوں کو زبانی

یاد ہوتی تھیں۔ خصوصاً شجرہ ہائے نسب کے یاد رکھنے میں وہ اسقدر تیز ہوتے تھے کہ ایک ہی سانس میں کسی قوم کا صدیوں پر محیط شجرہ نسب پڑھ ڈالتے تھے۔ زمینی' جنسی یا دیگر قبائلی وراثت کے تعین ضمن میں چونکہ انہیں معتبر سمجھا جاتا تھا لہٰذا اسی وجہ سے ان کا نام میراثی پڑ گیا۔ یعنی میراث (یاد) رکھنے والا۔ گویا اپنے علاقے کی ہر قوم اور ہر گوت نیز ان کی ذیلی شاخوں کا پشت در پشت علم رکھنا اس ذہین و فطین قوم کا پیشہ رہا ہے۔ اب چونکہ زمینوں کے بندوبست ہوچکے ہیں اور گوتوں کا باقاعدہ ریونیوریکارڈ رکھا جاتا ہے لہٰذا میراثی یہ پیشہ ترک کرتے جارہے ہیں۔ تاہم اب بھی نسبتاً دیہاتوں میں لوگ اپنے اجداد کے کارنامے میراثیوں سے ہی سننا پسند کرتے ہیں۔

پاک و ہند میں ذات پات کا نظام ہمیشہ عروج پر رہا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی رشتہ و ناطہ طے کرتے وقت قوم و برادری کو اولیت دی جاتی ہے۔ کئی قوموں یا قبیلوں میں غیر کف یا غیر قوم میں بیٹیوں کا رشتہ دینا درست نہیں سمجھا جاتا۔ اور تو اور بڑے بڑے متقی و پرہیز گار مسلمان بھی جو شریعت کی چھوٹی سی چھوٹی پابندی کو بھی شعار حیات بنا لیتے ہیں' ذات پات کے معاملہ میں تنگ نظر و متعصب ہوتے ہیں اور اس ضمن شریعت کے احکامات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ عموماً دور ماضی میں رشتوں اور ناطوں کے تعین کے لئے بھی میراثیوں ہی کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ بلکہ عموماً میراثی ہی رشتوں اور ناطے کے پیغام ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں لے کر جاتے تھے۔ ہمارے کئی دیہات میں ایسا اب بھی ہوتا ہے اور دو خاندانوں کے درمیان عموماً رشتوں اور ناطوں کے لئے یہ لوگ رابطہ کا کام دیتے ہیں۔ خصوصاً ماضی میں ایک گاؤں کے وڈیرے کا دوسرے گاؤں کے وڈیرے کے ہاں رشتہ و ناطہ کا پیغام میراثی ہی لے کر جایا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر فریقین کے میراثی اپنے اپنے علاقے کے وڈیروں کی خاندانی و روایتی بہادری کے قصوں کے ساتھ ساتھ ان کے خالص نسل ہونے کے بھی کئی قصے بیان کرتے تھے۔ اسی بنا پر خصوصاً پنجاب میں شادی بیاہ کی رسمیں بھی میراثیوں کے ذریعے ہی انجام پاتی ہیں۔ آج بھی میراثیوں کو اپنے گاؤں اور نواحی مواضعات کی ہر قوم اور ہر گوت کی بن بیاہی لڑکیوں اور کنوارے لڑکوں کے کوائف از بر ہوتے ہیں۔ رشتہ طے کروانے کے بعد شادی کے موقع پر خوشی کی تمام رسموں پر بھی عموماً میراثی ہی چھائے رہتے ہیں۔ ڈھول و شہنائی بجانا' ویلیں اور نیوندرے لینا وغیرہ انہیں لوگوں کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہر قسم کے مقامی و روایتی ساز بجانے کے علاوہ گانے میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں اور یہ فن اپنی اولادوں کو پشت در پشت

منتقل کرتے ہیں۔ مرد میراثی تو ڈھول و شہنائی کے ذریعے مردوں کو ضیافت طبع کا سامان مہیا کرتے ہیں جبکہ ان کی خواتین (میراثنیں) ڈھولک وغیرہ بجا کر چاردیواری یا زنان خانہ میں خواتین کی دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔

ہم اگر یہ کہیں کہ پاک و ہند میں فن موسیقی کے بانی میراثی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ موسیقی کا فن زراعت کی رسموں میں سے نکلا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زراعت و کھیتی باڑی کا فن عورتوں نے ایجاد کیا۔ اور کئی صدیوں تک یہ فن صرف خواتین ہی تک محدود رہا۔ دور وحشت کے سیدھے سادھے انسان یہ سمجھتے تھے کہ زمین کے بطن سے کھیتی باڑی کے ذریعے فصلیں، پھل، پھول، پودے اور درخت صرف اور صرف خواتین ہی اگا سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح خواتین اپنے بطن سے اولاد پیدا کرتی ہیں۔ دور وحشت کی خواتین زمین میں کاشتکاری کرتے وقت مخصوص قسم کی دعاؤں اور مناجات پر مشمل افزائش فصل کے گیت ایک کورس کی شکل میں گایا کرتی تھیں۔ بعد میں افزائش فصل کی یہی مناجات گیت بن گئیں۔ گویا یہی علم موسیقی کی بنیاد بنیں۔ سرزمین پاک چونکہ زمانہ قدیم سے ہی زراعت و کاشتکاری کے لئے ایک مثالی خطہ رہی ہے اور اسے بیک وقت سات دریا سیراب کرتے رہے ہیں، لہٰذا یقینی بات ہے کہ فن زراعت کے ساتھ منسلک فن موسیقی بھی یہاں خوب پروان چڑھا ہوگا اور پہلے پہل فن موسیقی میں خواتین نے ہی دسترس حاصل کی ہوگی۔ بعد میں جب کھیتی باڑی و زراعت کے اسرار و اموز مردوں پر بھی آشکار ہوئے تو یہ لوگ بھی افزائش فصل کے گیتوں میں عورتوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتے گئے۔ سیاہ فام چونکہ اس خطے کی قدیم ترین قوم ہیں اور میراثی اسی قوم کے باقیات ہیں لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ میراثی جہاں اس خطہ میں فن زراعت کے بانی ہوں گے وہاں علم موسیقی کے موجد بھی یہی لوگ رہے ہوں گے۔ البتہ بعد میں جب دیگر اقوام کے اس خطہ پر حملے شروع ہوگئے اور یہاں کی سیاہ فام اقوام کے کئی لوگ ان کے غلام بن گئے تو میراثیوں کا پیشہ قدرے الگ ہوگیا۔ لیکن اب بھی شادی بیاہ کی رسوم کے علاوہ فصلی تہواروں پر یہی لوگ گانے و موسیقی اور کھیل و تماشہ کے ذریعے لوگوں ضیافت طبع (ENTERTAINMENT) کا سامان مہیا کرتے ہیں اور خصوصاً ہماری لوک موسیقی اور گائیکی کا فن انہیں کے دم قدم سے زندہ ہے۔ ہماری ثقافت کی آج بھی پہچان یہی لوگ ہیں۔ آج کی مشینی زندگی، الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بدیسی ثقافت کی یلغار اور امتداد زمانہ کے ہاتھوں دیگر تبدیلیوں کی وجہ سے ہمارا یہ لوک فن دم توڑتا جارہا ہے اور میراثی اپنا صدیوں کا آبائی پیشہ ترک کرنے

پرانے قصوں میں صاحبان ثروت آپس میں پیغام رسانی یا رشتوں ناطوں کے طے کرنے کے لئے میراثیوں کی خدمات سے استفادہ کرتے تھے۔ خصوصاً بچوں اور بچیوں کی ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں یا ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں نسبت طے کرنے کے لئے میراثیوں کی خدمات ناگزیر ہوا کرتی تھیں۔ یہ میراثی جس لڑکے کی شادی کا پیغام دوسری قوم کی لڑکی کے گھر والوں کے پاس لے کر جاتے تھے تو پہلے لڑکے کا مکمل حسب و نسب بیان کرتے تھے' اس کی خاندانی شرافت' نجابت اور شجاعت کا تذکرہ کرتے تھے' اس کی قوم کے بزرگوں کے کارناموں کے علاوہ اس کے خاندان کی تاریخ کا عکس بھی دکھاتے تھے اور لڑکی کے خاندان والوں کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کرتے تھے کہ انہیں اس سے بہتر رشتہ ملنا محال ہے۔ پرانے دور میں اس قسم کا پیغام لے جانے والی میراثی کو عموماً کانگرود کہا جاتا تھا۔ غالباً ہندی میں "کاگا" بمعنی "کوا" کا لفظ اسی سے نکلا ہے۔ علی الصبح کوئی کوامنڈیر پر بیٹھ کر اگر اب بھی کائیں کائیں کرنا شروع کردے تو اسے "ساجن کی چٹھی" یا "مہمان کی آمد" کا پیغام ہی سمجھا جاتا ہے۔ گویا سیاہ فام میراثی کے لئے کانگرود کا لقب خوش بختی کی علامت تھا۔ ان خدمات کے صلہ میں میراثیوں کو فریقین سے خاطر خواہ سفر خرچ کے علاوہ معاوضہ و انعام بھی ملتا تھا۔ اب بھی نسبتاً دیہاتوں میں عموماً رشتے و ناطے میراثی مرد یا میراثی عورتیں ہی طے کراتے ہیں اور خصوصاً بڑے گھرانوں کے مابین شادی بیاہ کی شرائط بھی انہیں کے ذریعے طے پاتی ہیں۔

پرانے دور میں جہاں رشتوں ناطوں کے لئے میراثیوں کو استعمال کیا جاتا تھا وہاں دیگر پیغام رسانی کے فرائض بھی یہی لوگ انجام دیتے تھے۔ ایک ہی قبیلے کے مختلف جگہ آباد خاندانوں کے مابین' ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کے مابین اور ایک قوم سے دوسری قوم کے مابین ہر قسم کے پیغام پہنچانے و لانے والے یہی لوگ ہوا کرتے تھے۔ شادی کی دعوت' مرگ کا پیغام' پیدائش کا پیغام حتیٰ کہ صلح و جنگ کا پیغام بھی انہیں کے ذریعے دیا جاتا تھا۔ دیہاتوں میں اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ دو قبائل کے مابین جنگ کی صورت میں میراثیوں کو ہر قسم کا تحفظ حاصل ہوتا تھا اور کوئی بھی قبیلہ ان پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ ان کو گویا وہی پوزیشن تھی جیسی موجودہ دور میں جنگ کے دنوں میں ریڈ کراس سوسائٹی کی ہے۔

میراثی عام طور پر گھوڑے پالتے تھے۔ یہ گھوڑے جہاں ان کے پیشہ پیغام رسانی کے لئے ضروری تھے وہاں ان کے ذریعے فصلوں کی کٹائی کے موقع پر وہ کھیتوں

میں جا کر زمینداروں اور کسانوں سے غلہ و اناج کی بخششیں بھی طلب کر کے لاتے تھے۔ گویا ایسے میں گھوڑے ان کے لئے غلہ و اناج کی باربرداری کا کام بھی دیتے تھے۔ کسی بھی گاؤں یا شہر کے وڈیرے کے لئے کسی میراثی کو اپنے گھر میں ملازم رکھنا بے حد ضروری تھا۔ جس کے پاس بطور ملازم یا خادم میراثی نہ ہوتا تھا اسے سرے سے وڈیرا سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ پیغام رسانی کے علاوہ وڈیرے یا صاحبان ثروت میراثیوں سے ذاتی خدمت کا کام بھی لیتے تھے۔

پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اگر اس مسئلہ کا قومی سطح پر تدارک نہ کیا گیا تو ہماری رنگا رنگ ثقافتی رسموں کے تذکرے صرف قصہ پارینہ بن کر رہ جائیں گے۔ جوں جوں میراثیوں کے ہاں پشت در پشت زندہ رہنے والا یہ فن ختم ہوتا جارہا ہے' توں توں ہماری روایتی ثقافت دم توڑتی جارہی ہے۔ اگرچہ میراثی آج بھی ہمارے ہر گاؤں ہر شہر اور ہر قریے میں موجود ہیں' لیکن ہماری ناقدری اور سرپرستی کے فقدان کی وجہ سے یہ قوم تیزی سے اپنا پیشہ ترک کرتی جارہی ہے اور اس کے ساتھ ہی ہماری تابندہ ثقافت کا ایک خوبصورت باب اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ آج بھی نسبتاً دیہی علاقوں میں شادیوں کے موقع پر ڈھول' بین اور باجے پر مشتمل پنجاب کے روایتی لباس پہنتے ہوئے' میراثیوں کی ٹیمیں ناچ و گانے کا ایسا رنگ جماتی ہیں کہ چلتے ہوئے وقت کی گویا نبضیں رک جاتی ہیں۔ لمحہ فکریہ ہے کہ اگر ہماری ثقافت کا یہ رنگ نہ رہا تو یہ کس قدر پھیکی و بدمزہ سی رہ جائے گی؟۔۔۔ ہماری میراثی ہمارے لوک ثقافت اور لوک موسیقی کی جان ہیں۔ ہمارے میراثی ہمارا قومی ورثہ ہیں۔ اور ہمارے خوبصورت میراثی ہمارے ثقافتی ضمیر کی آواز ہیں اور ہمارا یہ اجتماعی قومی فریضہ ہے کہ ہم اس خوبصورت اور کانوں میں رس گھولنے والی آواز کو بدیسی موسیقی کے بے ہنگم شور میں دبنے بچائیں۔ اس لئے کہ اس آواز کی جڑیں ہماری دھرتی کے سینے میں پیوست ہیں اور اس کی سریلی دھنیں ہمارے اجداد کی مجموعی سوچوں کی آئینہ دار ہیں۔

## مصلی

لفظ مصلی کی اصل عربی ہے جو غالباً مصلیٰ (جائے نماز) سے ہی نکلا ہے۔ لیکن مصلی قوم کو مصلی کس وجہ سے یا کس نسبت سے کہا جاتا ہے؟۔ اس بارے میں وثوق کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بہرکیف اس ضمن میں حسب ذیل دو آراء قائم کی گئی ہیں۔

(ا) جب یہ قوم مسلمان ہوئی تو نماز پڑھنے کی وجہ سے غیر مسلم اور خصوصاً ہندو اقوام نے انہیں مصلی کہنا شروع کردیا۔

(ب) اس قوم کا ماضی میں عمومی پیشہ کھجور کے پتوں اور نرسل وغیرہ سے چٹائیاں یا نماز کی صفیں بننا رہا ہے جس کی وجہ سے یہ مصلی مشہور ہوگئے۔

ہماری نظر میں اولا الذکر لائے میں کوئی زیادہ وزن نہیں ہے۔ اگر نماز پڑھنے کی وجہ سے ہندو قوم نے انہیں مصلی کہنا شروع کیا تھا' تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے یہ لقب باقی ماندہ مسلمانوں اور خصوصاً ہندی نومسلموں کو کیوں نہ دیا؟۔ جہاں تک چٹائیاں بننے کی بات ہے تو تو پنجاب کے مصلی اگرچہ زیادہ تر پیشہ زراعت کاشتکاری سے وابستہ رہے ہیں' تاہم خصوصاً دریاؤں کے کنارے جہاں نرسل کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے' وہاں کے مصلی عموماً چارپائیاں اور چٹائیاں بنتے ہیں اور اسی پیشہ سے منسلک ہیں۔ اس بنا پر مصلیوں کے متعلق یہ رائے کہ یہ لوگ چٹائیاں بننے کے پیشہ سے وابستگی کی بنا پر مصلی مشہور ہوئے حقیقت سے قدرے قریب تر نظر آتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کے مصلی کی مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں۔ چٹائیاں بننا' بان و نرسل کی چارپائیاں بننا' درختوں کی شاخوں سے ٹوکریاں بنانا' کھجور کے پتوں سے چنگیریں' بریڈ باکس اور دیگر کئی قسم کی گھریلو استعمال کی اشیاء بنانا' بان کی رسیاں بنانا' نرسل کے خیمے چھتیں بنانا اور بٹائی پر فصلیں کاشت کرنا ان کے عمومی پیشے رہے ہیں۔

خصوصاً کاشتکاری ان کا بڑا پیشہ ہے۔ دیہاتوں میں زمیندار عموماً انہیں لوگوں سے زمینوں کی دیکھ بھال اور فصلوں کی کاشت کا کام لیتے ہیں اور یہ اس قوم کا صدیوں پرانا پیشہ ہے۔ مصلی قوم بلا کی بہادر ہے۔ پاکستان کے زیادہ تر وڈیرے' چوہدری' ملک اور خوانین وغیرہ اپنی ذاتی حفاظت کے لئے یا گھر کی چوکیداری کے لئے عموماً مصلیوں کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ قوم گذشتہ کئی صدیوں سے غلامی کی زندگی بسر کرتی آرہی ہے لیکن بہادری و شجاعت کا عنصر اب بھی ان لوگوں میں بدرجہ اتم موجودہ ہے۔ ڈر اور خوف تو مصلیوں تو گویا چھو کر بھی نہیں گذرا۔ بے حد بے باک اور نڈر لوگ ہیں۔

پاکستان کے تمام مصلی اگرچہ مسلمان ہیں اور شاید ہی ان میں کوئی غیر مسلم ہو' تاہم یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ و نابلد ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہاں کے مسلمانوں کا اس قوم کے ساتھ ذاتی تعصب ہے جو انہیں کبھی اپنی برادری کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ وگرنہ اسلام کی تعلیمات اس ضمن کل واضح ہیں کہ کسی گورے کو کسی کالے پر یا کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت ں نہیں ہے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں میں ذات ت اور طبقاتی تقسیم کا نظام یا رجحان گویا اسلامی تعلیمات کا منہ چڑاتا نظر آتا ہے اور یہ نظام مسلمانوں نے ہندو برہمنوں کے ذات پات والے ننگ انسانیت نظام سے اپنایا ہے۔

اسلامی تعلیمات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اس خطہ میں اسلام آیا تو ہندو راجپوت اور دیگر قومیں اگرچہ مسلمان تو ہوگئیں لیکن انہوں نے ذات پات کا نظام اسی طرح اپنائے رکھا جس طرح قبل از اسلام کے دور میں ان میں رائج تھا۔ بعد میں دوسرے علاقوں سے حملہ آور کی حیثیت سے اس خطہ میں داخل ہونے والے مسلمانوں نے بھی اسی ذات پات کے نظام کو اپنا لیا' بلکہ یہاں پر پہلے سے موجودہ ذات پات والے نظام کا حصہ بن کر رہے گئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج پورے ہندوستان میں ہمیں مسلمان ہی مسلمان نظر آتے۔

گویا مصلیوں کو یہاں کے عاقبت نا اندیش اور نام نہاد مسلمانوں نے عملاً اسلام سے دور رکھا اور ان کے مسلمان ہوجانے کے باوجود انہیں اپنا بھائی تسلیم نہ کیا۔ بلکہ الٹا انہیں ایک نجس مخلوق قرار دے کر ان کے ساتھ متعصبانہ سلوک روا رکھا۔ پاکستان کے مسلمانوں کی اپنے مصلیوں سے یہ نفرت در حقیقت اسلام کے چہرہ اطہر پر ایک بدنما داغ ہے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے یا اس رجحان کی حوصلہ افزائی کرنے والے لوگ سرور کائنات ﷺ کی نظر میں کبھی پسندیدہ لوگوں کا درجہ حاصل نہیں کرپائیں گے۔ اسلام نے کالے و گورے کی تمیز ختم کردی ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ کو (میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں) جناب عمر فاروقؓ جیسے شخص سیدنا (ہمارے سردار) بلالؓ کہہ کر مخاطب کرتے تھے' اور آپؐ بانی اسلام ﷺ کے بے حد لاڈلے تھے۔ بانی اسلام ﷺ کے ایک اور غلام حضرت زیدؓ بن حارث اور ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ بن زید تمام صحابہ کرام میں سے آنحضورﷺ کے محبوب ترین لوگ تھے اور آپ ﷺ انہیں اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں جب مال غنیمت تقسیم کیا اور اپنے بیٹے جناب عبداللہؓ بن عمرؓ سے زیادہ حصہ جناب اسامہؓ بن زیدؓ کو دیا تو حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اس بات پر بے حد حیران ہوئے اور اپنے والد محترم سے دریافت فرمایا کہ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی اسلام کے لئے خدمات ' میری خدمات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں مجھ سے زیادہ حصہ دیا جارہا ہے؟۔ اس کے جواب میں حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا:۔

> "تیرے باپ (بذات خود عمر فاروقؓ) سے زیادہ آنحضور ﷺ اس کے باپ کو چاہتے تھے اور تجھ سے زیادہ اسے (حضرت اسامہؓ کو) پیار کرتے تھے"۔

آنحضور ﷺ نے لشکر شام کا سپہ سالار بھی حضرت اسامہؓ بن زید کو بنایا تھا اور تمام جید

صحابہ کرام ان کے ماتحت تھے۔ جب حضرت اسامہؓ بن زید چھوٹے تھے تو بانی اسلام ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کے بالوں میں کنگھی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کے ایک حجام ابو الہندؓ غالباً سیاہ فام سندھی تھے۔ ایک بار انہوں نے آنحضور ﷺ سے شکوہ کیا کہ صحابہ کرام میرے ساتھ رشتہ و ناطہ نہیں کرتے تو آنحضور ﷺ نے فرمایا

"ابوالہند ہمارے اہل بیت سے ہے۔ اسے لڑکی دو اور اس سے لڑکی لو"۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی کیا۔ اب جو لوگ مسلمان مصلیوں کو نیچ ذات قرار دے کر ان سے نفرت کرتے ہیں یا انہیں مسلمان برادری کا حصہ تسلیم نہیں کرتے وہ آنحضور ﷺ کے وضع کردہ اسلامی آئین سے بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

مصلی پاکستان کے ہر قریہ، ہر گاؤں اور شہر میں موجود ہیں اور اس خطے کی قدیم ترین قوم ہیں۔ خصوصاً پنجاب میں یہ واحد قوم ہے، جو قدیم دراوڑ قوم کی باقیات کا عمدہ نمونہ ہے۔ گویا اس سرزمین اور خطے کی اصل مالک یہی قوم ہے۔ اور اس قوم کی تاریخ اس خطے کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ صدیوں پہلے اسی قوم نے اس سرزمین پر تمدن کی بنادیں استوار کی تھیں۔ دور قدیم میں اس خطے کو اگر سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا تو یہ اسی قوم کا کمال تھا جس نے یہاں کی بنجر بیابان آبادی اور جنگلات کو کاٹ کر قابل کاشت بنایا تھا اور اس قوم کی شبانہ روز کی کاوشوں نے اس سرزمین کو گویا سونا اگلنے والی سرزمین بنا دیا تھا۔

## نٹ

نٹ کا لفظ نوٹنکی سے نکلا ہے جس کے معنی گانے و ناچنے والی کے ہیں۔ نٹ اگرچہ مصلیوں کی ایک ذیلی شاخ ہیں تاہم پیشہ کے اعتبار سے ان سے الگ ہیں۔ یہ لوگ ماضی میں ہماری ثقافت کا اہم ترین جزو رہے ہیں۔ ناچنا گانا، سوانگ رچانا، لوک قصے (منظوم) گا کر پیش کرنا اس قوم کا پیشہ رہا ہے۔ خصوصاً پاکستان میں اسٹیج ڈرامہ کے بانی یہی لوگ ہیں۔ شادی بیاہوں، فصلی تہواروں، میلوں اور ٹھیلوں کی رونقیں ماضی میں اسی قوم کے فن سے عبارت رہی ہیں۔ پنجاب میں لوک داستانوں کے منظور قصوں کو

یہ لوگ اسٹیج ڈرامہ کی صورت میں پیش کرتے تھے۔ یہی لوگ ہمارے ماضی کے تھیٹروں اور سرکسوں کی جان رہے ہیں۔ اب الیکٹرانک میڈیا کے ذرریعے فلموں' اسٹیج ڈراموں اور دیگر ثقافتی پروگراموں کی یلغار نے اس قوم کے فن کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور یہ قطعی طور پر مٹتا نظر آرہا ہے۔ اس فن سے وابستہ نٹ بھی اپنا پیشہ ترک کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ لیکن ماضی میں ہماری دیہی تہذیب و ثقافت کا یہی لوگ ایک خوبصورت ترین حصہ رہے ہیں اور دیہاتیوں کی تفریح کا واحد سامان یہی لوگ تھے۔ خصوصاً یہاں کے علاقائی ناچوں میں یہ لوگ بے حد مہارت رکھتے تھے۔ پاکستان بھر کے تمام علاقوں میں یہ لوگ اب بھی موجود ہیں۔

## بھانڈ

بھانڈوں اور نٹوں کا پیشہ تقریباً ایک ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نٹ تو ناچ گانے اور اسٹیج ڈرامے میں مہارت رکھتے ہیں جبکہ بھانڈ اپنے فی البدیہ گفتگو کے فن کے ذریعے طنز و مزاح کے پروگرام پیش کرتے ہیں۔ یہ قدیم مصلیوں کے ہمراہ ان کے اسٹیج ڈراموں کا ایک حصہ ہوا کرتے تھے اور لیلیٰ مجنوں' سسی پنوں' ہیر رانجھا' سوہنی مہینوال' مرزا صاحباں اور راجہ رسالو و سرکپ کے قصوں میں وقفہ کے دوران طنز و مزاح کے ذریعے لوگوں کو تفریح کا سامان بہم پہنچاتے تھے' اور دیہاتی کسان نقد و جنس کے ذریعے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اب چونکہ ہمارے نٹوں کے لوک ڈراموں کا فن روبہ زوال ہوچکا ہے جس کی وجہ سے بھانڈوں کا دائرہ کار بھی صرف شادی بیاہوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں شادی ہو شامیانے لگے ہوں اور براتی جمع ہوں یہ لوگ پہنچ جاتے ہیں اور فی البدیہ مزاحیہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کو محظوظ کرتے ہیں اور ودھائیاں لیتے ہیں۔

## قلندر۔ جوگی اور راول

ریچھ اور بندر کا ناچ ہماری ثقافت کا ایک اہم حصہ رہا ہے اور یہ فن قلندر قوم کے لوگوں سے وابستہ ہے۔ ریچھ اور کتے کی لڑائی' بندر و بکری کے کرتب' ریچھ کا ناچ' سانپ اور نیولے کی لڑائی وغیرہ یہ تمام کھیل تماشے اسی قوم کے پیشہ میں شامل ہیں۔ یہ لوگ عموماً خانہ بدوش ہوتے ہیں اور گاؤں گاؤں قریہ قریہ گھومتے رہتے ہیں۔ راول غالباً عربی کے لفظ "رحل" سے نکلا ہے۔ جبکہ جوگی عموماً سپیروں کو کہتے ہیں جبکہ

قلندر ریچھ پالنے والے کو کہا جاتا ہے۔

## بازی گر

ان لوگوں کا پیشہ رسی پر ناچنا یا دیگر جسمانی پھرتی کے کرتب دکھانا رہا ہے اور عموماً یہ بھی خانہ بدوشی کی حالت میں رہتے ہیں۔ بچوں کے جھولے بنانا، مٹی کے بنے ہوئے کھلونے بنا کر بیچنا بھی انہیں لوگوں کے پیشہ میں شامل رہا ہے۔ اور یوں یہ لوگ بھی ہماری لوک ثقافت کا ایک خوبصورت حصہ رہے ہیں اور ہمارے دیہی میلوں ٹھیلوں اور فصلی تہواروں میں انہیں ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔

## شعبدہ باز

سیاہ فام اقوام میں شعبدہ باز قوم بھی ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ ان لوگوں کا پیشہ شعبدہ بازی، جادو کے کرتب اور اسی نوع کے دیگر کھیل تماشے رہا ہے، جو ہماری لوک ثقافت کا ایک خوبصورت حصہ ہیں

## بہروپئے

سیاہ فاموں کی ایک شاخ بہروپیا کہلاتی ہے جس کا پیشہ بہروپ بھر کر یا سوانگ رچا کر لوگوں سے داد اور نقد و جنس حاصل کرنا رہا ہے۔ خصوصاً بہروپ بنانے (گیٹ اپ بنانے) میں یہ لوگ بے حد مشہور رہے ہیں اور جب کسی شخصیت کا بہروپ بنا لیتے ہیں تو اصل اور نقل میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ گویا نقالی یا بہروپ کے فن میں یہ لوگ ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

## اوڈ اور سانسی

اوڈ بھی سیاہ فاموں کی نسل سے ہیں۔ خانہ بدوش ہیں اور خیموں میں رہتے ہیں۔ محنت و مزدوری کے علاوہ ان کی خواتین کوڑا کرکٹ میں سے ردی کاغذ، لوہا اور دیگر دھاتیں تلاش کر کے فروخت کرتی ہیں۔ خصوصاً شہروں میں چوریاں بھی کرتے ہیں۔ سانسی لوگوں بلی مار بھی کہا جاتا ہے۔

## چنگڑ

چنگڑ بھی ایک سیاہ فام قوم ہے۔ خصوصاً ان کی خواتین بے حد محنتی اور جفاکش ہوتی ہیں۔ عموماً ان کے مرد تو بچے پالتے ہیں جبکہ عورتیں محنت و مشقت کے ذریعے خاندان بھر کی کفالت کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ ان کی خواتین کا عمومی پیشہ کھیتی باڑی ہے۔ روزانہ مزدوری یا دیہاڑی پر بھی کام کرتی ہیں۔

## سندھ کے سیاہ فام شیدی

موجودہ صوبہ سندھ میں شیدی قوم کے سیاہ فام لوگ خاطر خواہ تعداد میں آباد ہیں۔ یہ لفظ شیدی کی اصل سیدی ہے اور سیدی قوم گجرات' مہاراشٹر (انڈیا) احمد آباد (انڈیا) اور دکن (انڈیا) میں بھی آباد رہی ہیں اور ان کے باقیات ان علاقوں میں اب بھی موجود ہیں۔ ماضی میں اس قوم کی باقاعدہ دو ہم آزاد و خودمختار ریاستیں ساچین اور جنجیرہ میں رہی ہیں جن کا تذکرہ ہم سابقہ اوراق میں کر آئے ہیں۔ شیدی قدیم ترین دراوڑی اقوام کے ابناء و اخلاف ہیں۔ سندھ میں صدیوں کی غلامی نے ان کی حالت دگرگوں کردی ہے اور وہاں ان کا کوئی سماجی و معاشرتی مقام نہیں رہا۔ ان لوگوں کا کام کتے پالنا' وڈیروں کی ذاتی حفاظت و چوکیداری کرنا اور ان کی ذاتی ملازمت کرنا وغیرہ ان کا عمومی پیشہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ لوگ ناچ گانے کے پیشے سے بھی وابستہ ہیں اور یہاں کی قدیم ترین لوک ثقافت کے امین ہیں۔

یہ شیدی اسی دراوڑی قوم کے باقیات ہیں جو آریائی حملہ سے دب دبا کر پنجاب سے سندھ و بلوچستان کی طرف نکل گئی تھی۔

## بلوچستان کے مکرانی

بلوچستان کے مکرانی بھی سیاہ فام ہیں۔ اور ان کا نسلی تعلق غالباً دور قدیم کی اس کلدین قوم سے ہے جو نامعلوم زمانوں میں بابل و سومیر سے نقل مکانی کرکے اس خطے کے دشوار گزار پہاڑی علاقوں اور ریگزاروں میں متوطن ہوئی تھی۔ یہ لوگ بے حد نڈر' دلیر' جفاکش اور بہادر ہیں۔ ان کا امتیازی نشان ان کے گھنگریالے بال ہیں۔

## ڈوم

کئی ماہرین کا کہنا ہے کہ جس طرح عربی کا لفظ میراثی ہے اسی طرح ہندی میں ڈوم ہے۔ گویا معنوی لحاظ سے ڈوم اور میراثی ایک ہی ہیں۔ تاہم خصوصاً پنجاب میں پیشہ اور سماجی حیثیت کے اعتبار سے میراثیوں اور ڈوموں میں واضح فرق ہے۔ لارنس کا کہنا ہے کہ ڈوم ہندوؤں کے فرقہ شودر سے نکلے ہیں۔ کئی ڈوم اپنے شجرہ ہائے نسب قدیم ہندو راجاؤں سے بھی ملاتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے تمام شجرے عموماً خود ساختہ ہوتے ہیں تاہم اگر یہ یقین کر لیا جائے کہ قدیم ترین ادوار میں اس قوم کے راجے مہاراجے ہندوستان پر حکومت کرتے رہے ہوں گے تو یہ بات غلط نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے آریاؤں کے حملہ سے پہلے اس خطہ کے یہی سیاہ فام لوگ ہی حکمران تھے۔ ڈوم ہندوستان کی قدیم ترین سیاہ فام قوم ہے اور اس کا پہلا تذکرہ ہمیں یہاں کی قدیم ترین کتاب پنڈت کلہن کی راج ترنگینی میں ملتا ہے۔ راج ترنگینی کے مطابق (لگ بھگ ۹۳۶ء میں) کشمیر میں ایک راجہ چکرورمن نامی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس راجہ نے کشمیر کی ایک تانتر قوم سے لڑ کر ان سے تخت چھینا تھا۔ یاد رہے کہ تانترے قوم کے لوگ اب بھی کشمیر میں آباد ہیں۔ چنانچہ بے شمار دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد جب راجہ کی ریاست اس کے دشمنوں کے وجود سے صاف ہوگئی تو اس راجہ کا غرور و تکبر حد سے بڑھ گیا اور بقول پنڈت کلہن وہ بدی کی طرف مائل ہوگیا۔ راجہ چکرورمن کے دربار میں ایک ڈوم رنگ نامی بے حد اثر و رسوخ کا مالک بن گیا۔ یہ رنگ نامی شخص گانے بجانے کا بے حد ماہر تھا۔ اس کی دو خوبصورت بیٹیاں تھیں جن کے نام ہنسی اور ناگ لتا تھے۔ راجہ چکرورمن ان دونوں لڑکیوں کے حسن و جمال پر مر مٹا اور انہیں محل میں داخل کرلیا' جس کی وجہ سے ان کے باپ رنگ کی شان و شوکت اور دربار میں مزید رسائی انتہا کو جاپہنچی اور راجہ چکرورمن گویا اس کے اشاروں پر ناچنے لگا۔ پنڈت کلہن لکھتا ہے کہ راجہ رنگ کی بیٹیوں کے عشق میں راجہ اس قدر اندھا ہوگیا کہ اس نے حکم جاری کردیا کہ اس کے تمام درباری اور محل کی دیگر تمام رانیاں ان دو لڑکیوں کا پس خوردہ کھانا کھایا کریں۔ اس کے بعد راجہ کے محل میں ڈوم قوم کا اقتدار و رسوخ اس قدر بڑھ گیا کہ راجہ نے ایک اور ڈوم لڑکی کو بڑ رانی کا خطاب دے کر اپنے محلات میں داخل کرلیا۔ پھر آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ راجہ [illegible]رمن کے دربار کے اہم امراء صرف اور صرف ڈوم ہی ہوا کرتے تھے۔ یوں ایک [illegible] تک

ڈوم قوم کو کشمیر میں عروج حاصل رہا۔ اگرچہ پنڈت کلہن کی راج ترنگینی سے اس بات کا مکمل اندازہ نہیں ہو پاتا کہ بذات خود چکرورمن کا تعلق کس ذات یا برادری سے تھا تاہم یہ بھی تو ممکن ہے کہ راجہ چکرورمن بذات خود بھی اسی سیاہ فام قوم کا چشم و چراغ ہو۔ خصوصاً خطہ کشمیر پر ایک عرصہ دراز تک سیاہ فام قوم کی حکمرانی رہی ہے اور آج بھی وہاں ناگ دیوتا کی پوجا کے آثار ملتے ہیں جو اسی قوم کا مذہب تھا۔ جس تانترے قوم سے راجہ چکر ورمن کی جنگ ہوئی تھی' اسے کئی ماہرین برہمن قوم میں شمار کرتے ہیں اور کئی کا خیال ہے کہ تانترے کھشتری ہیں۔ ہمارے خیال میں موخرالذکر خیال درست ہے۔ قدیم دور کے برہمن لڑائیوں میں حصہ نہیں لیا کرتے تھے جبکہ راجہ چکرورمن سے تنتروں کی تین بڑی لڑائیوں کا تذکرہ راجہ ترنگینی میں ملتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تانترے ہندوستان کے قدیم ترین عسکری پیشہ کھشتری ٹھہرتے ہیں۔

زمانہ ماضی قریب تک دیہاتوں میں چوکیداری کے فرائض ڈوم ہی سرانجام دیا کرتے تھے۔ گاؤں کے وڈیروں یا حکمرانوں کے لئے ایک قسم کی پولیس کے فرائض بھی یہی لوگ سرانجام دیتے تھے۔ کئی ڈوم کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے ہیں۔ انگریز دور میں بھی مالیہ و لگان کی رقم شاہی خزانے میں یہی لوگ جمع کروانے جایا کرتے تھے۔

## گلہ بان

سیاہ فام قوموں میں سے ایک قوم کا نام گلہ بان بھی مشہور ہے۔ تاہم یہ نام اسے پیشہ کی بناء پر ملا ہے۔ اس قوم کے لوگ پنجاب میں خال خال ملتے ہیں' البتہ کشمیر میں کافی تعداد میں آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دور قدیم میں یہ قوم معاوضہ پر دوسری اقوام کے گھوڑے چرایا کرتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ان لوگوں نے اپنے گھوڑے پالنے شروع کردیئے خصوصاً اس خطہ میں افغانوں کے زوال اور سکھوں کے عروج کے دور میں یہ قوم جرائم پیشہ بن گئی تھی اور اس کے سوار دستے ہاتھوں میں لٹھیں لئے لوٹ مار و غارتگری میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف کسانوں کے خرمن لوٹ لایا کرتے تھے بلکہ کئی براتوں پر حملہ کرکے دلہن سمیت سارا ساز و سامان لوٹ کر لے جاتے تھے۔ سکھوں کے دور میں خصوصاً کشمیر اور پونچھ کے علاقے ان کی جرائم پیشہ کاروائیوں کی زد میں رہے ہیں اور سکھ حکمران کافی کوششوں کے باوجود ان لوگوں کو زیر نہ کرسکے تھے۔ خصوصاً گھوڑے اور دیگر مویشی چوری کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

## ہانجی ۔ مانجھی ۔ ملاح ۔ موہانے ۔ ماچھی

ہانجی بھی پاک و ہند کی قدیم ترین سیاہ فام قوم کے باقیات میں سے ہیں جو زیادہ تر کشمیر میں آباد ہیں۔ کشمیر میں انہیں ملاح، مانجھی، ہانجی اور ہانز بھی کہا جاتا ہے۔ پنجاب میں انہیں مانجھی، ملاح اور موہانے کہا جاتا ہے۔ کشمیر کے ہانجی اگرچہ کشتی رانی کے علاوہ تجارت کے پیشہ سی بھی منسلک ہیں تاہم پنجاب میں یہ لوگ عموماً کشتی رانی کرتے ہیں ان کی اصل کے متعلق بے شمار نظریات ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ وسط ایشیا کی قدیم ترین قوم میدیا ماد کے باقیات ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ان کا تعلق ہندوؤں کی مشہور قوم ویش سے ہے۔ اس قوم کے کئی لوگ اپنا شجرہ نسب حضرت نوحؑ سے ملاتے ہیں لیکن نوحؑ تو اس لحاظ سے تمام انسانوں کے جد امجد بلکہ آدمؑ ثانی مانے جاتے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد دنیا میں صرف اور صرف نوحؑ ہی کی نسل چلی اور باقی تمام قومیں غرق ہوگئی تھیں۔ پنجاب میں خصوصاً ماچھی بھٹیاروں کا کام بھی کرتے ہیں۔ ایک تاریخی روایت کے مطابق یہ لوگ کشمیر کے راجہ پرور سین (عہد حکومت ۱۰۲ء تا ۱۶۲ء) کے دور میں سری لنکا سے نقل مکانی کرکے اس خطہ میں آئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق راجہ پرورسین کا ایک وزیر موراک نامی بھی اسی قوم میں سے تھا۔ کشمیر میں دریاؤں اور جھیلوں میں کشتی رانی کا کام یہی لوگ کرتے ہیں۔ پنجاب میں بھی ان کا عمومی پیشہ یہی ہے۔ کشمیر اور پنجاب میں اس قوم کے کئی لوگ معاشرے میں بے حد اونچا مقام بھی رکھتے ہیں۔ اس قوم کی بے شمار ذیلی شاخیں مشہور ہیں جن کا تذکرہ موجب طوالت ہوگا۔ ماضی میں یہ قوم پیشہ قذاقی کی وجہ سے بھی خاصی شہرت کی حامل رہی ہے۔

# کتابیات



| ناشر | مصنف | نام کتاب | نمبر شمار |
|---|---|---|---|
| العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر ۲۳۱۔ سرکلر روڈ نزد چوک اردو بازار لاہور | میخائل نسطورخ (ترجمہ نور محمد خان رازی) | انسانی نسلیں | ۱۔ |
| اردو سائنس بورڈ لاہور | منہاج سراج (ترجمہ غلام رسول مہر) | طبقات ناصری حصہ اول و دوم | ۲۔ |
| تخلیقات لاہور | سید محمد لطیف (ترجمہ محبوب علی) | تاریخ پنجاب | ۳۔ |
| اردو سائنس بورڈ لاہور | اعجاز الحق قدوسی | تاریخ سندھ جلد اول و دوم | ۴۔ |
| نامعلوم | جلد سوم | تاریخ رشیدی | ۵۔ |
| شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور | محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبدالحی خواجہ ایم اے) | تاریخ فرشتہ جلد اول و دوم | ۶۔ |
| نفیس اکیڈمی کراچی | عبدالرحمٰن ابن خلدون (ترجمہ علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی) | تاریخ ابن خلدون جلد ششم | ۷۔ |
| نفیس اکیڈمی کراچی | ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی (ترجمہ پروفیسر کوکب شادانی) | تاریخ المسعودی جلد اول و دوم | ۸۔ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۹۔ | کتاب الہند | البیرونی (ترجمہ سید اصغر علی) | الفیصل ناشران کتب لاہور |
| ۱۰۔ | تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول و دوم | سر لیپل ایچ گریفن، کرنل میسی (ترجمہ سید نوازش علی) | سنگ میل پبلی کیشنز لاہور |
| ۱۱۔ | تاریخ راجستھان جلد اول | کیپٹن ٹاڈ | انڈس پبلی کیشنز لاہور |
| ۱۲۔ | آئین اکبری جلد اول،دوم، سوم | علامہ ابوالفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب) | سنگ میل پبلی کیشنز لاہور |
| ۱۳۔ | شاہان گوجر | مولوی عبدالمالک | انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور |
| ۱۴۔ | تحقیقات چشتی | مولوی نور احمد چشتی | الفیصل ناشران کتب لاہور |
| ۱۵۔ | تمدن ہند | گستاؤ لی بان (سید علی بلگرامی) | مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور |
| ۱۶۔ | تاریخ لاہور | کنہیا لال ہندی | مجلس ترقی ادب لاہور |
| ۱۷۔ | تاریخ پنجاب | کنہیا لال ہندی | مجلس ترقی ادب لاہور |
| ۱۸۔ | تاریخ گرجر | رانا حسن علی چوہان | نامعلوم |
| ۱۹۔ | ایران قدیم | اے۔ٹی۔او مسٹڈ (ترجمہ عابد علی عابد) | مکتبہ خاور لاہور |
| ۲۰۔ | مرقع مولتان | سید محمد اولاد علی گیلانی | جاذب پبلشرز لاہور |
| ۲۱۔ | افغانستان دارا سے | لیفٹیننٹ جنرل سر میکمن | یونائٹڈ پرنٹرز کوئٹہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| | امان اللہ تک | (ترجمہ پروفیسر ریاض صدیقی) | |
| ۲۲۔ | مسلم ثقافت (ہندوستان میں) | عبدالمجید سالک | ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور |
| ۲۳۔ | پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء | سید سبط حسن | مکتبہ دانیال کراچی |
| ۲۴۔ | تاریخ شاہی | احمد یادگار (ترجمہ نذیر نیازی) | اردو سائنس بورڈ لاہور |
| ۲۵۔ | تزک تیموری | (ترجمہ سید ابوالحسن ندوی) | سنگ میل پبلی کیشنز لاہور |
| ۲۶۔ | تزک بابری | ظہیرالدین بابر (ترجمہ رشید اختر ندوی) | سنگ میل پبلی کیشنز لاہور |
| ۲۷۔ | وسط ایشیا کے مغل حکمران | قاضی محمد اقبال چغتائی | چغتائی ادبی ادارہ لاہور |
| ۲۸۔ | دی پٹھان | سر اولف کیرو | آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی |
| ۲۹۔ | پنجاب کاسٹس | سر ڈینزل ابیٹ سن | شیخ مبارک علی لاہور |
| ۳۰۔ | سیستان | جی۔پی۔ ٹیٹ (ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان) | بینظیر انٹرپرائزز لاہور |
| ۳۱۔ | تاریخ اقوام پونچھ | محمد الدین فوق | ویری ناگ پبلشر میرپور آزاد کشمیر |
| ۳۲۔ | تاریخ اقوام کشمیر حصہ اول | محمد الدین فوق | ویری ناگ پبلشر میرپور آزاد کشمیر |
| ۳۳۔ | حبشی قوم کی تاریخ | خورشید قائم خانی | نامعلوم |
| ۳۴۔ | اردو انسائیکلو پیڈیا | | فیروز سنز لاہور |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۳۵۔ | فیروز اللغات (اردو، جامع) | الحاج مولوی فیروز الدین | فیروز سنز لمیٹڈ لاہور |
| ۳۶۔ | چنگیز خان | ہیرالڈیم | نامعلوم |
| ۳۷۔ | تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) | علامہ ابن کثیر (اردو ترجمہ) | نفیس اکیڈمی کراچی |
| ۳۸۔ | تاریخ پاکستان (قدیم دور) | یحیٰی امجد | سنگ میل پبلی کیشنز لاہور |
| ۳۹۔ | تاریخ ایران | محمد حیات | علمی کتب خانہ لاہور |
| ۴۰۔ | تاریخ تمدن ہند | محمد مجیب | گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور |
| ۴۱۔ | ہندو کش کے قبائل | جون بدلف (ترجمہ جاوید شاہین) | سنگ میل پبلی کیشنز لاہور |

## انسانی نسلیں

قیمت ۱۰۰ روپے

### از میخائل نسطورخ

### ترجمہ: نور محمد خان رازی

انسانی نسلیں کیسے وجود پذیر ہوئیں اور کہاں کہاں پروان چڑھیں؟ اور پھر باہم مخلوط ہو کر مزید کون کون سی شاخوں میں منقسم ہوئیں؟ علم بشریات کے شہرہ آفاق روسی سکالر کی کتاب کا نور محمد خان رازی نے بے حد خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔ کتاب پڑھتے وقت یہ گمان نہیں ہوتا کہ ہم اصل کتاب کے بجائے ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔

## گکھڑ اور کھوکھر

قیمت ۱۲۰ روپے

### از غلام اکبر ملک

دو ایسی جنگجو قومیں جنہوں نے مغربی دروں سے پنجاب میں داخل ہونے والے ہر لشکر کا چمکتی ہوئی تلواروں سے استقبال کیا' اور جراءت و بہادری کی ایسی لازوال داستانیں رقم کیں جن کی مثال تاریخ کے اوراق میں کم ہی ملتی ہے۔
کتاب میں گکھڑوں کی تمام ذیلی شاخوں کی قبائلی تاریخ بھی رقم کی گئی ہے۔

## اعوانوں کی تاریخ

قیمت -/۱۲۵

از غلام اکبر ملک

سرزمین پاک و ہند میں اسلام کا سفیر بن کر آنے والے اس قبیلے کی تاریخ جس نے خاص طور سے پنجاب کے غیر مسلم خانوادوں کے سرکردہ افراد کے دلوں میں کلمہ طیبہ کا بیج بویا تھا۔ اعوانوں کے عظیم المرتبت اجداد کے حالات کے علاوہ تمام اعوان شاخوں کی تاریخ' جدید تحقیق کی روشنی میں قلم بند کی گئی ہے۔

## راجپوت

قیمت -/۱۵۰

از غلام اکبر ملک

اس بہادر قوم کی تاریخ جو بیرونی حملہ آوروں اور فاتحین کے لئے اپنے ہر شہر و قریئے کو سٹالن گراڈ بنا کر رکھ دیتی تھی۔ شکست کی صورت میں اپنا تمام مال و زر تلف اور عورتیں و بچے آگ کی نذر کردیتی تھی۔ چنانچہ فاتح دشمن کے ہاتھ جنگ کے اختتام پر اس قوم کے جوانوں کی خاک و خون میں لتھڑی لاشوں اور راکھ کے سوا کچھ نہ آتا تھا قومی تاریخ کے علاوہ مندرجہ ذیل راجپوت شاخوں کی قبائلی تاریخ :۔

چوہان' پنوار' راٹھور' چیب' ڈوگر' منہاس' گوندل' سیال' کھچی' جنجوعہ' جودھرا' دولتانہ' سرگانہ' دادوانہ' کملانہ' ہنجوانہ' ٹیانہ' تہرانہ' ٹوانے' ڈھڈی' نون' طور' میاں' جموال' سلہریا' ہراج' تھراج' مرالی' سنپال' بھنڈیال' دلوال' کھروال' بھکرال' باگڑی' ناگری' لون' برباہ' نائیک' پٹھیال' باہروال' برہ' بھلوٹ' بھوملہ' پھامرہ' چیچی' جھینڈر' دھکڑ' چھالے' ڈھینڈہ' ڈھوگہ' سیہر۔

## بھٹی اور بٹ (راجہ سالباہن کی اولادیں) قیمت -/۱۰۰ روپے

### از غلام اکبر ملک

پاکستان کی دو ایسی حسین قومیں جنہیں چاند کی اولاد کہا جاتا تھا اور جن کی شجاعت کے تذکرے آج بھی ہماری لوک داستانوں کی صورت میں زبان زد عام و خاص ہیں دونوں قوموں کی قومی تاریخ کے علاوہ مندرجہ ذیل بھٹی شاخوں کی قبائلی تاریخ:

وٹو، رانجھا، رندھاوا، منج، مہر، ترگڑ، جھکڑ، کانجو، کلیار، جاکس، اتھرا، بنگیال، بھورجہ، دھاریوال، دھمال، ڈھالے، سوترہ، سویہ، کلوال، کھیر، کوروٹانہ، کہلو، گجرال، لدر، توڑ، مٹو، موہٹہ، ملتانی، نجرہ، ہوجن، ہتیار، تاؤنی، اہمیال، کلچہ، لدھو، نیپال، روپلال، بارڑ۔

## پنجاب کے مغل قبائل قیمت -/۱۲۰ روپے

### از غلام اکبر ملک

نسل انسانی کے اس عظیم گروہ کی داستان حیات جس کو قدرت نے گویا تاجداری اور جہاں بانی ہی کے لئے بنایا تھا۔ جنگجوئی مغلوں کے رگ و ریشہ میں رچی بسی تھی۔ ان کے غلاموں نے بھی عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں رکھیں۔ مغلوں کی قومی تاریخ کے ساتھ ساتھ پنجاب میں بسنے والی مغلوں کی ذیلی شاخوں کے حالات بھی اس کتاب میں قلم بند کئے گئے ہیں۔

## بلوچ قبائل (تاریخ کے آئینے میں)

**از غلام اکبر ملک**

اس عظیم قوم کی داستان حیات' قدیم ہندوستان' سندھ' بابل اور مصر کی قدیم تہذیبیں جس کی عظمت کے نشان ہیں۔ تہذیب انسانی کے اولین معمار' بلوچ قبائل کی مکمل تاریخ ------ مسلسل سفر اور جفاکشی اس قوم کا طرہ امتیاز بن گیا تھا۔ جدید ترین تحقیق کے مطابق بلوچوں کی اصل پر لکھی جانے والی بے مثال کتاب ----- قدیم اور جدید بلوچ قبائل اور ان کی ذیلی شاخوں کی تاریخ بھی اس کتاب میں رقم کی گئی ہے۔

## گجر قوم کی تاریخ قیمت -/۱۰۰

**از غلام اکبر ملک**

اس عظیم انسانی نسل کی تاریخ جس نے تہذیب انسانی کی بنیادیں استوار کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہندوستان کے قدیم معاشرے میں اس قوم کی حیثیت اس مدار کی سی تھی جس کے گرد پہیہ گھومتا ہے۔ گجروں نے قدیم دور میں ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصے پر طویل زمانے تک حکومتیں کی ہیں۔ گجر قوم کی مکمل و مستند قومی تاریخ کے علاوہ اس قوم کی ذیلی شاخوں کی قبائلی تاریخ بھی اس کتاب میں رقم کی گئی ہے۔



مصنف : غلام اکبر ملک

تاریخ کے میدان میں غلام اکبر ملک نے اپنا ایک خاص مقام بنا لیا ہے۔ "تواریخ اقوام و قبائل پاکستان" کے سلسلہ کی کتابوں میں انہوں نے اپنے علمی اور تحقیقی کام کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ قوموں اور قبیلوں کی نسلی نسبتوں کو واضح کرنے اور انہیں مستند حوالوں سے ثابت کرنے کے ضمن میں جیسی دقت نظر اور جیسے تحقیقی شعور کا اظہار ان کی کتابوں میں ہوتا ہے کم ہی محققین و مصنفین کے حصے میں آیا ہے۔ جس موضوع اور جس نظریئے پر قلم اٹھاتے ہیں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں اور حوالے' تاریخ کی مستند ترین کتابوں سے پیش کرتے ہیں۔ "پاکستان کی سیاہ فام اقوام" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حبیب اللہ صدیقی
سینئر نائب صدر بزم عرفان ادب